کوڈ: 4576 یونٹ: 1 - 9



قرآن حکیم اور مستشرقین

برائے ایم اے علوم اسلامیہ
(تخصص فی القرآن والتفسیر)

تالیف و ترتیب
ثناء اللہ حسین

شعبہ قرآن و تفسیر
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

قرآن حکیم اور مستشرقین

برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ

(تخصص فی القرآن والتفسیر)

کوڈ نمبر 4576

تالیف وترتیب

ثناء اللہ حسین

لیکچرار شعبہ قرآن وتفسیر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

شعبہ قرآن وتفسیر

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اشاعت ششم ــــــــــ 2010ء
تعداد اشاعت ــــــــــ 1000
قیمت ــــــــــ -/160 روپے
نگران طباعت ــــــــــ محمد ریاض خان
طابع ــــــــــ انٹرگرافکس پرنٹرز، اسلام آباد
ناشر ــــــــــ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین .... پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مؤلف .... ثناء اللہ حسین

لیکچرار، شعبہ قرآن وتفسیر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

نظر ثانی .... 1- پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

2- عبدالحمید خان عباسی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن وتفسیر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس رابطہ کار............................ ثناء اللہ حسین

فہرست عنوانات

صفحہ	عنوانات	یونٹ نمبر
7	پیش لفظ	
9	تعارف کورس	
11	مقاصد کورس	
13	مستشرقین اور قرآن کریم	-1
57	قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ	-2
105	علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۱)	-3
153	علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۲)	-4
183	قران کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء اور ان کے اثرات	-5
205	مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہم اسالیب	-6
229	مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف کا تنقیدی جائزہ	-7
257	قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف	-8
299	قرآنیات میں بعض منتخب مستشرقین کی خدمات اور ان کے اثرات	-9

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ گزشتہ ادوار میں نازل ہونے والی کتب وصحائف میں ان کے حاملین کی طرف سے تحریف وتصریف کے بعد دنیا میں تا قیام قیامت وحی الٰہی صرف قرآن کریم کی صورت میں ثابت اور محفوظ رہے۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے ہر فرد کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم کی پیروی کرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے متعلق دلائل ہیں، انبیاء سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، رسالت اور ان کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ حلال وحرام، عبادات، معاملات، آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کی تفصیلات دی ہیں۔ معاد جسمانی، حشر ونشر اور جنت ودوزخ کے احوال کا ذکر ہے اور انسان کی ہدایت کے لئے جس قدر امور کی ضرورت ہوسکتی ہے ان سب کا قرآن کریم میں بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (النحل: ۸۹) ﴿ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے﴾

مسلمان علماء تفسیر کے علاوہ مستشرقین نے بھی قرآن کریم کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ مسلمان علماء کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور قرآن کریم کی تعلیمات کو رائج کرنا تھا۔ مستشرقین نے اپنے خاص اہداف اور اغراض کو مد نظر رکھ کر قرآن کا مطالعہ کیا۔ قرآن کریم سے متعلق مستشرقین کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا ازالہ ایک دینی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت الی القرآن کا بھی ایک حصہ ہے۔ اسی مقصد کے تحت اہم

اے علوم اسلامیہ کے نصاب میں اس کورس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب ایم اے علوم اسلامیہ (تخصص فی القرآن والتفسیر) کے طلبہ کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں مستشرقین اور قرآن، قرآن کریم پر مستشرقین کی [illegible] کا علمی وتنقیدی جائزہ، علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ، [illegible] بعض مستشرقین کی مثبت آراء اور ان کے اثرات، مطالعہ قرآن کے حوالے سے مستشرقین کے اہم [illegible] پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف شامل ہے۔

کتاب کی تالیف وترتیب اور تدوین کا فریضہ شعبہ قرآن وتفسیر کے [illegible] جناب ثناء اللہ حسین نے انجام دیا ہے۔ اس ضمن میں شعبہ قرآن وتفسیر کے اساتذہ اور چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی کی کوششیں قابل تعریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شعبہ کے اساتذہ اور مؤلفین کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔

یہ کتاب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی مطبوعات میں ایک بابرکت اور مفید اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کدوکاوش کو اپنے فضل وکرم سے [illegible] عطا فرمائے اور ہمیں قرآن وسنت کی ترویج واشاعت کے لیے مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
۱۴ اپریل ۲۰۰۶

کورس کا تعارف

قرآن مجید اور مستشرقین کا یہ کورس ایم اے اسلامیات (تخصص فی القرآن والتفسیر) کے طلباء کے لیے پیش کیا جارہا ہے، اس کورس میں قرآن مجید پر مستشرقین کے مختلف انداز سے تحقیقات کا ایک تعارف پیش کیا گیا ہے۔

قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس نے اپنی تکمیل کے بعد دنیا کی تمام اقوام پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ مختلف لوگوں نے مختلف طریقے سے کیا ہے۔ کسی نے ہدایت لینے کے لیے، کسی نے اس پر تنقید کرنے کے لیے، کسی نے اس کی حقیقت کو پانے کے لیے، کسی نے اس کی تنقیص کرنے کے لیے اور کسی نے اس کو غیر الہامی کلام ثابت کرنے کے لیے۔

ان مطالعہ کرنے والوں میں دنیا کی اکثر قوموں کے لوگ شامل تھے، ان میں ایک گروہ یورپ کے لوگوں کا بھی تھا جن میں اکثر عیسائی مذہب کے حامل تھے، ان لوگوں کو عمومی طور پر مستشرقین کہا جاتا ہے اس گروہ میں سے بعض نے قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد اس پر اعتراضات بھی کیے، کچھ نے اس کی تحریف بھی کی، چند نے اس کی تنقیص بھی کی اور متعدد نے قرآن مجید کے بارے میں عجیب و غریب قسم کے اشکالات پیدا کر کے عوام الناس میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

عزیز طلباء! زیر نظر کورس میں استشراق کا مفہوم اور اس کی تاریخ کے علاوہ ان مستشرقین کے قرآن اور

میں قرآن کے بارے میں اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر ان میں جن لوگوں نے حقائق کو واضح کیا ہے یا مثبت آراء دی ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی متعدد مؤلفات سے بھی طلباء کو آگاہ کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ان کے اعتراضات کے جو عقلی و نقلی جوابات مسلمان علماء و سکالرز نے دیئے ہیں ان کو بھی بطریق احسن واضح کیا گیا ہے تاکہ طلباء ان کے مطالعہ سے موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

اس کورس کی تکمیل میں محترمہ ثناء اللہ حسین لیکچرر شعبہ قرآن وتفسیر نے انتھک محنت کی ہے۔ میں ان کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ میں اس امر کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ رئیس الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر محمود اے بٹ جیسی صاحب علم شخصیت کی سرپرستی نے ہی ہماری رفتار کو تیز کیا ہے ورنہ یہ کورس معلوم نہیں کب منظر شہود پر آتا۔ میں ان کی سرپرستی پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فریضہ منصبی سمجھتا ہوں۔ ڈین کلیہ عربی ڈاکٹر علی اصغر چشتی کے پیش لفظ لکھنے پر ان کا ممنون ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ قرآن وتفسیر کے میدان میں ہماری ان کوششوں کو قبول فرما کر طلباء و طالبات کو ان سے صحیح معنوں میں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مقاصد کورس

عزیز طلبہ وطالبات!

اس کورس کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

-1 استشراق کا مفہوم اور ظہور اور مستشرقین کی اقسام اور اہداف، مستشرقین اور قرآن کریم کے مابین تعلق کی کیفیت ونوعیت جان سکیں۔

-2 قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی تنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

-3 علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

-4 قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء اور ان کے اثرات جان سکیں۔

-5 مطالعہ قرآن حکیم کے حوالے سے مستشرقین کے اہم اسالیب جان سکیں۔

-6 مطالعہ قرآن مجید کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف پر تنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

-7 قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کے بارے جان سکیں۔

-8 قرآنیات میں بعض منتخب مستشرقین کی خدمات اور ان کے اثرات کے بارے میں جان سکیں۔

یونٹ نمبر...... 1

مستشرقین اور قرآن کریم

تالیف وترتیب

ثناء اللہ حسین

نظرثانی

عبدالحمید خان عباسی

فہرست

یونٹ کا تعارف

تحریک استشراق صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا، مستشرق کا لفظ پہلی مرتبہ ۱۶۳۰ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا، انگلستان میں تقریباً ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب ''مستشرق'' کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی ''استشراق'' کی اصطلاح نے رواج پایا، ایک دور وہ بھی تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستشرقین کا تعصب اپنے انتہا پر تھا، لیکن رفتہ رفتہ مجبوراً مختلف عوامل کے نتیجے میں اس شدت میں کمی ہوتی چلی گئی اور مستشرقین کی جماعت میں کچھ معتدل مزاج مصنفین بھی شامل ہو گئے، اس یونٹ میں استشراق کا مفہوم' ظہور استشراق، مستشرقین کی اقسام، مستشرقین کے اہداف' ان کے دینی، اقتصادی، سیاسی اہداف اور مقاصد، مستشرقین اور قرآن کریم کے مابین تعلق کی کیفیت اور نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱: استشراق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں

۲: ظہورِ استشراق کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں

۳: مستشرقین کی اقسام جان سکیں

۴: مستشرقین کے مقاصد اور اہداف جان سکیں

۵: مستشرقین کے دینی مقاصد اور اہداف جان سکیں

۶: مستشرقین کے تحقیقی اور علمی اہداف پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر سکیں

۷: مستشرقین کے مالی اور اقتصادی مقاصد جان سکیں

۸: مستشرقین کے سیاسی اہداف جان سکیں

۹: مستشرقین اور قرآن کریم کے مابین تعلق کی کیفیت اور نوعیت پر روشنی ڈال سکیں۔

مستشرقین اور قرآن کریم

تعارف و تاریخ

1- استشراق کا مفہوم

دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور ہو چکا ہے۔ اب ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی جدوجہد، ان کی تحقیقی کارناموں اور ان کے اثرات ولوازمات سے واقف نہ ہوں۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالے سے بالعموم اور علوم القرآن کے حوالے سے بالخصوص مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کا رویہ و سلوک اور ان کی کیفیت وکمیت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ ایک دور وہ بھی تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مستشرقین کا تعصب اپنے انتہاء پر تھا اور ان کی تحریروں میں بے باکی وگستاخی آخری حد تک پائی جاتی تھی۔

لیکن رفتہ رفتہ مجبوراً، مختلف عوامل کے نتیجے میں اس شدت میں کمی ہوتی چلی گئی، اور مستشرقین کی جماعت میں کچھ معتدل مزاج مصنفین بھی شامل ہوگئے۔ یہاں تک کہ عہد جدید میں استشراق اور مستشرقین مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام قرآن اور دنیائے اسلام کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لئے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو کافی مشکلات سے گزرنا پڑا، اور ان کے پرانے حریف ''مغرب'' کو زمانہ بیداری کے بعد سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی

حاصل ہوتی چلی جارہی تھی۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لئے بہرحال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (۱۹۰۰ء تا ۱۹۲۵ء) تحریک استشراق کے عروج وکمال سے عبارت ہے۔ پھر تحریک استشراق کا دورِ عروج وکمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا اور ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔

اس دور میں قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ علیہ وسلم کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول وترتیب کو زیر بحث لاکر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہمعصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن کریم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستند ومعتبر ذریعہ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلے میں انکار کے لئے حدیث کے کذب وافتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالدیکے اور گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکار حدیث کے مکتب فکر کو بطور خاص فروغ دیا۔

1.2- استشراق کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم

استشراق(Orientalism)اور مستشرق(Orientalist) کی اصطلاحیں لفظی لحاظ سے بہت پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا، یعنی اٹھارویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق(Orientalist) کی اصطلاح کا رواج اسی زمانہ سے ہوا۔

تحریک استشراق صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔ اربری کہتا ہے کہ (Orientalist) کالفظ پہلی مرتبہ ۱۶۳۰ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا۔ (1) انگلستان میں تقریباً ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب ''مستشرق'' کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی ''استشراق'' نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اس لغت میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictionnairo del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں لفظ (Orientalism) درج ہوا۔

1- تعریف

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعہ میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے" (2)۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق دونوں الفاظ "Orient" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "شرق" یا "مشرق" یا مشرقی سمت، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس سے "Oriental" یعنی مشرقی جو تمام معنوں میں مغربی "Occidental" کی ضد ہے۔ اس لحاظ سے مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔

المنجد میں مستشرق کا مفہوم" اَلْعَالِمُ بِاللُّغَاتِ وَالْآدَابِ وَالْعُلُوْمِ الشَّرقِيَّة" یعنی مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر احمد عبدالحمید نے استشراق کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱: استشراق اس مغربی اسلوب فکر کا نام ہے جس کی بنیاد مشرق ومغرب کی نسلی تقسیم کے نظریہ پر قائم ہو، اور جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہو (3)۔

یہ تعریف استشراق کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں کیونکہ جب سے مغرب نے صنعتی اور عسکری میدان میں ترقی کی ہے اس وقت سے سارا مغرب اسی انداز میں سوچتا چلا آرہا ہے۔

۲: مغربی ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کے نظریئے کی بنیاد پر، مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ، تہذیبوں، ادیان، زبانوں، سیاسی اور اجتماعی نظام، ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے (4)۔

۳: استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے، اور اس کی فکری وسیاسی تشکیل نو کے لئے کوشش کرنا ہے (5)۔

۴:　ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفوں کو غیر مانع اور غیر جامع قرار دینے کے بعد استشراق کی درج ذیل تعریف کی ہے:

"مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلام مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل وامکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے" (6)۔

لیکن اس تعریف میں یہ خامی ہے کہ لفظ مشرق کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر مستشرقین کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ دوسری خامی یہ ہے کہ تمام مستشرقین کو ایک ہی زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ مستشرقین کی کئی اقسام ہیں۔ اور یہ بھی خامی ہے کہ جو مستشرقین اسلام کے علاوہ دیگر مشرقی علوم اور تہذیبوں کے میدان میں مصروف عمل ہیں وہ مستشرقین کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ معروف معنوں میں وہ بھی مستشرقین ہیں۔

ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی بارت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مستشرقین کے عرف میں لفظ "مشرق" کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جس پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا (7)۔

گویا لفظ مشرق سے مراد اسلامی ممالک ہیں اور دنیائے اسلام کو وہ مشرق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشرق کے اس مفہوم کے تحت مستشرقین کی عملی جدوجہد جن خفیہ مقاصد کی غمازی کرتی ہے اور جن کا اظہار کبھی کبھی بعض مستشرقین کی طرف سے ہوتا بھی رہتا ہے، ان کو اور مستشرقین کے بے شمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستشرقین کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے۔

"اہل مغرب بالعموم اور یہود اور نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ

کے مذاہب، زبانوں، تہذیبوں، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں۔ انکو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے" (8)۔

مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لئے استعمال ہوتی ہے جس کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن زیادہ وسیع مفہوم میں وہ تمام غیر مسلم مصنفین بھی آتے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو (9)۔

استشراق کی اصل حقیقت اُس وقت سامنے آئی جب استشراق اسلام اور اسلامی علوم وآداب کے مطالعے تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام وقرآن اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد اس کا جزو لازم ٹھہرا، پھر یہی بغض وعناد پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا، لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری اور بنیادی مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا، مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً اور تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانہ کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں، قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تا کہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لئے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لئے کہا گیا کہ قرآنی عربی دور جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لئے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کے اقوال وافعال اور سیرت وکردار کے بارے میں ان نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی

اچھا تاثر نہ لے سکیں۔ اسلامی تہذیب اور ثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعہ خرافات ٹھہرے۔

ان تمام تجربات ومطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمت عملی تبدیل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت اور استدلال کے اوزان وپیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظرثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا۔ اسی لحاظ سے ان کے فکروفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔

2- ظہور استشراق

استشراق کو اگر اسلام کے خلاف سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل پہلی صدی ہجری میں ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بالخصوص بغض وعداوت کا اظہار موقع بر موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور وفور جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایات صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اور کبھی کبھی تحریر وتصنیف کے قالب میں ڈھلتی رہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ (Orientalism) کی اصطلاح اٹھارویں اور انیسویں صدی میں رائج ہوئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک استشراق کی اصطلاح رائج ہونے سے کتنا عرصہ پہلے عملاً موجود تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تحریک استشراق کا آغاز ۱۳۱۲ء میں ہوا۔ جب فینا میں کلیسا کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تدریس کے لئے باقاعدہ (Chairs) قائم کی جائیں (10) اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس تحریک کی ابتداء تیرہویں صدی عیسوی میں ہوا جب قشتالہ کے بادشاہ ''الفونس دہم'' نے

۹۶۹ء میں مریسیلیاں میں اعلیٰ تعلیمات کا ادارہ قائم کیا، اس ادارے نے ابوبکر الرقوطی کی سربراہی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان، عیسائی اور یہودی عالم مقرر کئے۔ اس ادارے نے انجیل تلمود اور قرآن کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تحریک استشراق کا آغاز بارہویں صدی عیسوی میں ہوا جب ۱۱۴۳ء میں پطرس محترم کے ایماء پر پہلی مرتبہ قرآن حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ مکمل ہوا۔ یہ پطرس محترم دیرکلونی کا رئیس تھا اور اسلام کے خلاف شدید تعصب رکھتا تھا (11)۔ اسی صدی میں ایک پادری فیزایل نے پہلی عربی لاطینی ڈکشنری تیار کی تھی (12)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس تحریک کا آغاز دسویں صدی عیسوی سے ہوا جب فرانس کا ایک راہب جربردی اورالیاک (۹۴۰......۱۰۰۳ء) حصول علم کی خاطر اندلس گیا۔ اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا اور یورپ بھر میں عربی زبان وادب اور ثقافت کا سب سے بڑا عالم شمار ہوا اور بعد میں ۹۹۹ء سے لے کر ۱۰۰۳ء تک سلفستر ثانی کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا (13)۔

یہ جتنی بھی مندرجہ بالا آراء ہیں انہیں تحریک استشراق کی تاریخ کا مراحل تو قرار دیا جاسکتا ہے نقطہ آغاز نہیں کیونکہ جس کام کا بیڑا مستشرقین نے اٹھا رکھا تھا وہ دسویں صدی عیسوی سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ کیونکہ نویں صدی عیسوی کا مؤرخ باروقرطبی لکھتا ہے:

> ''اہل مالقہ یا تو مسلمانوں کی ثقافت سے استفادہ کرنے کے لئے اور یا اس کی تردید کرنے کے لئے ادب، فقہ اور فلسفہ کے موضوع پر مسلمان مصنفین کی تصانیف کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ عربی تصنیفات کے کتب خانے قائم کرنے کے لئے کثیر اموال خرچ کرتے ہیں۔ (14)۔ اصل میں استشراق کی تحریک کو مشرق اور مغرب کے اہل کتاب نے مل کر آٹھویں صدی عیسوی میں شروع کیا تھا۔ مشرقی اہل کتاب کا نمائندہ یوحنا دمشقی (۶۷۶......۷۴۹ء) تھا جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں بیت المال میں ملازم تھا۔ اس نے ملازمت ترک کردی اور فلسطین کے ایک گرجے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی تردید میں کتابیں لکھنے لگا۔ اس نے اسلام

کے خلاف دو کتابیں لکھیں "محاورۃ مع المسلم" اور "ارشادات النصاریٰ فی جدل المسلمین" (15)۔

یہ دونوں تصنیفات اسی مقصد کے تحت لکھی گئی تھیں جس کے تحت مستشرقین نے تصنیفات کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس لئے یوحنا دمشقی کی کوششوں کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دے سکتے ہیں۔ اگر یوحنا دمشقی کو مشرقی ہونے کی وجہ سے مستشرق تسلیم نہ کریں بھی تو تحریک استشراق کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی ہی سے ماننا پڑے گا کیونکہ اسی صدی میں مسلمانوں نے اندلس کو نہ صرف عسکری طور پر فتح کیا تھا بلکہ مسلمانوں کی تہذیب اوران کے مذہب نے بھی وہاں پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔ اور اہل یورپ مسلمانوں کے علوم وفنون اور ان کی ثقافت کی طرف دو متضاد وجوہات کی بنا پر متوجہ ہوئے تھے۔ ان میں کچھ وہ تھے جو اسلامی تہذیب کو اپنی تہذیب پر ترجیح دیتے تھے اور کچھ اپنے مذہب عیسائیت پر قائم رہتے ہوئے اسلامی تہذیب وثقافت سے متاثر تھے اور اسلامی جامعات میں حصول علم کے لئے بڑے شوق سے داخل ہوتے تھے" (16)۔

ان لوگوں کے بارے میں عیسائی مؤرخ بارو قرطبی لکھتا ہے: "میرے ہم مذہب بھائی عربی ادب شاعری اور عربی حکایات میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ مسلمان فلاسفہ اور فقہاء کی کتابوں کا مطالعہ شوق سے کرتے ہیں، وہ یہ مطالعہ اس لئے نہیں کرتے کہ وہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی تردید کریں بلکہ وہ اس عربی ادب کا مطالعہ کرکے اس میں کمال حاصل کریں۔ آج پادریوں اور راہبوں کے علاوہ کوئی عیسائی نہیں مل سکتا جو اناجیل مقدسہ کی لاطینی تشریحات کا مطالعہ کرنا پسند کرتے ہوں۔ افسوس عیسائی نوجوان صرف عربی زبان وادب سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن جب ان سے کتب مقدسہ کے متعلق پوچھا جائے تو نفرت اور حقارت کے ساتھ کہتے ہیں کہ عیسائی کتابیں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے (17)۔

ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی تھے جو اسلامی تہذیب اور عربی زبان کا مطالعہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کرتے تھے۔ ان میں اکثریت عیسائی پادریوں اور راہبوں کی تھی۔ وہ اسلامی تہذیب اور ثقافت کی ترقی کے

اسباب معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ان راہبوں کو حصول علم کے راستے پر علم ومعرفت کی محبت نے نہیں ڈالا تھا بلکہ ان کے سینوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض وکینہ کا جو سمندر موجزن تھا اس نے انہیں مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمذ پر مجبور کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد احمد دیاب لکھتے ہیں:

> ''اندلس کے جن لوگوں نے عربی طرز زندگی اپنا لیا تھا، ان میں ایسے عیسائی راہب اور پادری موجود تھے جنہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لئے بھیس بدلا تھا، ان کا مقصد مسلمانوں کی قوت کا راز معلوم کرکے اور ان کی خامیوں اور کمزوریوں کا سراغ لگا کر انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا تھا''(18)۔

2.1 - حاصل بحث

ا: تحریک استشراق کا آغاز عملاً آٹھویں صدی عیسوی سے ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس تحریک کو یہ نام کئی صدیوں بعد دیا گیا۔

۲: اس تحریک کا قافلہ ابتداء ہی سے دو مختلف راستوں پر گامزن تھا۔ ایک وہ لوگ جو اسلامی علوم سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اسلامی علوم سے کماحقہ استفادہ کیا، دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کا محرک سوائے اسلام دشمنی کے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات کی طرف محض اس لئے متوجہ ہوئے تاکہ مسلمانوں کی کمزوریوں کو تلاش کریں اور انہیں نقصان پہنچا سکیں۔ مستشرقین کی اکثریت اسی طبقے پر مشتمل ہے۔

۳: اس تحریک کو شروع کرنے والوں کی اکثریت راہبوں اور پادریوں پر مشتمل تھی۔

مستشرقین کے مقاصد وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ لیکن اسلام دشمنی کا بنیادی مقصد کبھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا، اور جب صلیب کو شکست ہوئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہوا تو ''گرم جنگ'' کی جگہ ''سرد جنگ'' شروع ہوئی اور یہ سرد جنگ مادی

ہتھیاروں سے نہیں بلکہ علم وتحقیق کے معنوی ہتھیاروں سے لڑی گئی اس لئے رائمنڈلل (Raymond Lull) نے اہل مغرب کو کہا تھا: ''ایک پرامن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے۔ جس کا اسلحہ اور ساز وسامان خالص روحانی ہو'' (19)۔

3- مستشرقین کی اقسام

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا۔ اس لئے ان کے ہاں علم، تجربہ، انداز استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی و انسلاک کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں، اور اسی لحاظ سے ان کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جا جدا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین نے کئی مفید کام بھی کئے ہیں اور ہم ان کے کام کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ اس بات کے مستحق بھی ہیں۔ دوسری طرف مستشرقین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بنی نوع انسان کے لئے فکری بے اعتدالی، نظریاتی بے راہروی اور تہذیبوں کی تباہی کا باعث بنے ہیں۔ یہ لوگ مذمت کے مستحق ہیں اور ان کی اصلیت کو اجاگر کرنا انسانیت کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے مترادف ہے۔ مستشرقین کے کام کی نوعیت جاننے کے لئے ہم انہیں کئی اقسام اور طبقات میں تقسیم کر سکتے ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

3.1 - معتدل مزاج مستشرقین

یہ مستشرقین کا وہ گروہ ہیں جو کہ مسلمان نہ تھے۔ اس لئے ان کا اپنے آبائی ادیان کے زیر اثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ اس لئے ہم ان سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے ہم دیکھتے ہیں۔ مستشرقین کے اس طبقے کی تحریروں میں بھی بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے چند مستشرقین کے اسماء درج ذیل ہیں:

ا: کاسن دی پرسیول

کاسن فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۷۱ء تک تھا۔ اس کے آثار میں ایک ''تاریخ العرب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب کا تعلق قبل از اسلام اور عہد رسالت سے متعلق ہے سید امیر علی نے اپنی کتاب

" A Critical examination of the life of teaching of Muhammad" کے مقدمہ میں کاسن کے کام کو عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔

۲: رچرڈ سائمن (Richard Simon)

رچرڈ سائمن نے اسلامی مصادر کی بنیاد پر مسلمانوں کے عقائد اور عادات اپنی کتاب "اقوام مشرق کے عقائد وعادات کی تاریخ" بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

۳: گاڈ فرے ہگنز

اس کا زمانہ ۱۷۷۳ء تا ۱۸۴۳ء ہے۔ اس کی کتاب "Apology for Muhammad" کے زیر عنوان لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ پریمیئر بک ہاؤس لاہور نے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔ سر سید احمد خان بھی اس سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

۴: یوہان جے ریسکے

یہ جرمن مستشرق تھا، اپنے دور کے عربی دانوں میں سرفہرست ہے۔ اہل کلیسا نے اس کو زندیق قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی کتاب میں اسلام کی تعریف کی تھی۔ (20)

۵: مائیکل ایچ ہارٹ (Michael. H. Hart)

مائیکل نے اپنی کتاب " The 100 Arankįng of the most influential Persons in History میں تاریخ انسانی کی ایک سو مؤثر ترین شخصیات کی فہرست مرتب کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سرفہرست رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تاریخ انسانیت پر بے مثال دینی اور دنیوی اثرات ڈالے ہیں۔ میری نظر میں انہیں اس بات کا مستحق قرار دیتے ہیں کہ انہیں تاریخ انسانی کی مؤثر ترین شخصیت

قرار دیا جائے"(21)۔

لیکن ان خیالات کا اظہار کرنے والا یہ مستشرق یہ بھی لکھتا ہے:

" Movreover, he is the author of the muslims holy scriptures, the Koran, a collction of certain of Muhammad's insights that he believed had been derectly revealed to him by Allah" (22)

"مزید براں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کا مصنف ہے۔ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیالات کا مجموعہ ہے اور جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست نازل ہوئی"۔

پہلی عبارت میں تو وہ اسلام کا ہمدرد نظر آ رہا ہے اور دوسری عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو خود تصنیف کر کے مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔

۶: نیان

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۹۲ء تک زندہ رہا۔ اس نے مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مثلاً "تاریخ الادیان" مطبوعہ ۱۹۵۷ء، "کتاب الرسل" مطبوعہ ۱۸۶۶ء، "کتاب تقدیم الآداب الشرقیہ" مطبوعہ ۱۸۶۶ء ۔ نیان کا تعلق لغت فلسفہ اور تاریخ سے تھا۔

ان کے علاوہ شول، کارلائل، برنارڈ شاہ، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اور ورنگھم وغیرہ نے بھی عموماً افراط و تفریط سے گریز کیا۔

3.2 - متعصب مستشرقین

اس طبقے کے مستشرقین نے غیر جانبداری اور بے لاگ علمی تحقیق کے لبادے میں اسلام کے متعلق جو تحقیق

کی ہے اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

کیمون ایک فرانسیسی مستشرق ہے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

'' دین محمدی ،نعوذ باللہ جزام کا مرض ہے جو لوگوں میں پھیل رہا۔ اس مرض نے لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک عام فتنہ اور ایسا جنوں ہے جو سب کچھ فراموش کرا دیتا ہے۔ جو انسان کو سستی اور کاہلی پر ابھارتا ہے جو آدمی اس مرض میں مبتلا ہو، اسے قتل وغارت، شراب نوشی اور بدکاری کی دعوت کے سوا کوئی چیز سستی اور کاہلی کی اس حال سے نہیں نکال سکتی'' (23)۔

یہ مستشرق اپنی خبث باطن کا مزید اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

'' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر کی مثال بجلی کے ایک کھمبے جیسی ہے جو مسلمانوں کے سروں میں جنون پیدا کرتا ہے اور انہیں ایسے کام کرنے پر مائل کرتا ہے جو مرگی کے مریض اور مخبوط الحواس لوگ کرتے ہیں۔ اس کے اثر سے مسلمان مسلسل لفظ ''اللہ'' کا تکرار کرتے رہتے ہیں اور وہ ایسی چیزوں کے عادی بن جاتے ہیں جو سادہ طبیعتوں کا خاصہ ہے۔ مثلاً خنزیر کا گوشت کھانے، شراب نوشی اور موسیقی سے نفرت اور جو چیزیں سفا کی اور بدکاری کے خیالات سے جنم لیتی ہیں ان سے محبت'' (24)۔

پھر یہی مستشرق اپنے ناپاک مکروہ جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

'' میرا اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کی ساری آبادی کے پانچویں حصے کو نیست و نابود کر دیا جائے اور جو باقی بچ جائیں انہیں مشقت طلب کاموں پر لگا دیا جائے، کعبہ کو گرا دیا جائے اور (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر اور ان کے جسم کو ''لوفر'' کے عجائب گھر میں رکھا جائے'' (25)۔

یہ تحریریں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ان کے لکھنے والے نہ تو علم کے شائقین ہیں اور نہ ہی تحقیق سے ان کا کوئی واسطہ ہے۔ وہ علم اور تحقیق کے لبادے میں اسلام پر حملے کرنا چاہتے ہیں۔ مستشرقین کے اس طبقے نے جو رویہ اپنایا ہے۔ اس کے اسباب تاریخی ہیں کیونکہ اسلام نے یہودیت اور عیسائیت کو عسکری میدانوں میں شکستیں دی تھی۔ ان کا وقار ختم کیا اور کئی ممالک بھی ان سے چھینے گئے اور ساتھ ساتھ ان کے عوام کی اکثریت کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے چند مستشرقین درج ذیل ہیں۔

۱: جین بررڈ (Genebrard)

اس مستشرق کا زمانہ اگرچہ ۱۵۳۵ء تا ۱۵۹۷ء تھا۔ لیکن اس کا مؤقف سترھویں صدی عیسوی میں عام ہوا۔ یہ ایک مشہور کیتھولک مناظر تھا۔ اس نے عربی زبان کو وحشیانہ زبان قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو زبان کے پہلو سے ہدف تنقید بنایا ہے۔

۲: ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey)

اس نے اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے بنیاد الزامات لگائے اور یورپ میں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۶۹۷ء میں اس کے دو ایڈیشن چھپ گئے تھے اور فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۸ء میں ہو گیا تھا۔ (26)

۳: ایڈورڈ گبن (Gibben E.)

انگریز مؤرخ تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء تھا۔ اپنی کتاب "تاریخ زوال رومہ" کے لئے خاص شہرت کا حامل ہے۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے۔ اس نے ۱۷۵۰ء میں کتاب مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت دل سوز رائے کا اظہار کیا ہے اور رواداری کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت ہی نامناسب الفاظ اور زبان استعمال کی ہے۔

۴: والٹیئر (Voltaire Fr)

فرانسیسی مصنف تھا اس کا دور ۱۶۹۴ء سے ۱۷۸۷ء تک ہے اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا:

"Le Famatisme on Mohammaticv Prophete"

یہ بے بنیاد ڈرامہ تھا جو کہ ۱۷۴۲ء میں منظر عام پر آیا۔ والٹیئر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔

۵: سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)

ولیم میور مشہور انگریز مستشرق تھا، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاسی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبہ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ولیم میور نے "The Life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی، جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔ سر سید احمد خان نے اس کے جواب میں خطبات احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

۶: جارج سیل (Sale G.)

انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۹۷ تا ۱۷۳۶ تھا۔ اس نے ۱۷۳۵ء میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھا۔ اس نے اسلام کو فاسد مذہب قرار دیا ہے۔

3.3 - پیشہ ور مستشرقین

اس میں کوئی شک نہیں کہ استشراق کی تحریک نے ہمیشہ تبشیر یا استعمار کی طرف سے ملنے والی مالی امداد اور سماجی حیثیت پر بھروسہ کیا اور ان کو یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں، مجلوں، اخبارات ریڈیو اور ٹیلی وژن کے بڑے بڑے

عہدوں کی شکل میں اپنی کوششوں کا انعام ملتا رہا۔ اہل مغرب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی ان کے عزائم دینی ہوں یا سیاسی اقتصادی ہوں یا سماجی، ان کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام ہے۔ استعماری طاقتوں کی نظریں اسلامی ممالک کے ذخائر پر تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ارادوں کے راستے میں امت مسلمہ ایک دیوار کی مانند کھڑی تھی۔

اس دیوار کو منہدم کئے بغیر نہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزائم پورے ہوسکتے تھے، نہ پاپائے روم کی دنیا بھر پر عیسائیت کا پرچم لہرانے کی خواہش پوری ہوسکتی تھی اور نہ ہی مغرب کے قسمت آزما اصحاب سیاست کا اسلامی ممالک پر حکمرانی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا تھا۔ اس لئے ہر وہ شخص جو اس دیوار کو منہدم کرنے کی کارروائیوں میں کسی بھی حیثیت میں شریک ہوتا وہ پادریوں کا بھی منظور نظر ہوتا، سیاستدان بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ اس کی وجہ سے لاتعداد مدعیان علم و دولت، شہرت اور حشمت کی اس دیوی کی خاطر اسلام کی اس دیوار کو منہدم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے عالم اسلام اور اسلامی ادب کے ذخیرے کو کھنگال مارا تاکہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے ذریعے مسلمانوں کے کردار کو داغ دار کیا جائے۔ مسلمانوں کی ان خامیوں کو نوٹ کیا جائے جن کے ذریعے انہیں باہم لڑا کر ان کو کمزور کیا جائے۔ (27)

3.4 - ملحد مستشرقین

جب قرون وسطیٰ میں یورپ میں مذہب اور سائنس کے درمیان باقاعدہ جنگ جاری تھی اور یورپ میں ایسے لوگ موجود تھے جو علم کے پیاسے تھے لیکن ان کے ساتھ پاپائے روم کا جو سلوک تھا وہ ڈاکٹر ڈریپر ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

> ''پاپائے روم کے ہاں ہر وہ عیسائی کافر تھا جو کلیسائی ذہن سے بالاتر ہوکر سوچتا، علمی کتابیں لکھتا، سائنسی نظریات پیش کرتا، مسلمانوں کی تہذیب یا کسی اور بات کو اچھا سمجھتا یا ہر روز نہاتا تھا۔ ایسے کافروں کو سزا دینے کے لئے پاپا نے ۱۴۷۸ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی۔ اس عدالت نے پہلے سال دو ہزار اشخاص کو زندہ جلایا اور ستر ہزار کو قید و جرمانہ کی سزا دی۔ دس برس

میں اس نے سترہ ہزار کو آگ میں پھینکا، ستانوے ہزار تین سو اکیس کو قید و بند کی سزا دی اور ساتھ ہی مختلف علوم کی چھ ہزار کتابیں جلادیں۔ پوپ کی مرکزی مذہبی عدالت نے ۱۴۸۱ء اور ۱۸۰۸ء کے درمیانی عرصے میں تین لاکھ چالیس ہزار نفوس کو نہایت المناک سزائیں دیں۔ ان میں سے بیس ہزار کو زندہ جلایا" (28)۔

اس ظلم کا ردعمل یہ ہوا کہ علم کے شیدائی مذہب کے دشمن ہو گئے۔ مذہب اور کلیسا کے خلاف ایک طوفان اٹھا اور یہ طوفان پوپ اور کلیسا کے اختیارات کو بہا کر لے گیا۔ اہل مغرب نے مذہب کو زندگی کے معاملات سے فارغ کر کے گرجے میں بند کر دیا جہاں ہر اتوار کے روز چند عیسائی اپنے قیدی مذہب کی زیارت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ مسلم ممالک میں بھی مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دینے اور اسے ملی زندگی سے لاتعلق کرنے کی کوششیں، یورپ کے اسی تجربے کی صدائے بازگشت ہیں حالانکہ اسلام کلیسا کی طرح علم کا دشمن نہیں بلکہ وہ تو مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اس صورت حال میں یورپ میں الحاد کی تحریک نے زور پکڑا، اہل یورپ کی قومی زندگی کا ہر شعبہ عملاً ان لوگوں کے قبضے میں چلا گیا جو عیسائی کہلاتے تھے لیکن سوچ ملحدانہ تھی اور ان کا عمل بھی ملحدانہ۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح استشراق کی تحریک میں بھی ملحد شامل ہو گئے۔ ان ملحدوں کو استشراق کی شکل میں ایک میدان میسر آ گیا جس کے پیچھے سے انہوں نے مذہب کے خلاف اپنی کاروائیاں جاری رکھیں۔ اس قسم کے مستشرقین کے طریقہ کار اور ان کے مزاج کو سمجھنے کے لئے والٹیئر کی مثال کافی ہے۔

"والٹیئر" ایک ملحد تھا وہ مذہب اور کلیسا کا مخالف تھا۔ لیکن وہ نہ کھل کر بنو اسرائیل کے کسی نبی پر حملہ کرنے کی جرأت کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی پوپ وغیرہ کو براہ راست اپنی تنقید کا نشانہ بنا سکتا تھا، کیونکہ اس صورت میں اسے کلیسا، عوام اور حکومت سب کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس مشکل کا حل اس نے یہ نکالا کہ اس نے تمام ادیان اور ان کے بانیوں پر کیچڑ اچھالنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو بطور رمز استعمال کیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے رکیک حملے کئے جن کی ہمت اس سے پہلے کسی کو نہ ہوئی تھی۔ اس ملحد مستشرق کی

عیاری کی انتہا یہ تھی کہ اگر چہ اس نے اپنی تحریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے مذاہب کی مقدس ہستیوں پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تھی لیکن چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر یہ حملے کئے تھے۔ اس لئے اس نے اپنے اس کارنامے پر پوپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی ایک کتاب کا انتساب پوپ کے نام کردیا۔ اس طرح سے اس ملحد مستشرق نے کلیسا اور اسلام دونوں کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس بھی نکالی اور اسے کسی خطرے کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا (29)۔ یہ بات صرف والٹیئر تک ہی محدود نہیں بلکہ جن لوگوں نے افسانوں اور ناولوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے کردار کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان میں کثیر تعداد اسی قسم کے لوگوں کی ہے۔

3.5 - وہ مستشرقین جو بعد میں مسلمان ہو گئے

مستشرقین میں ایسے بے شمار لوگ بھی ہیں جنہیں توفیق خداوندی نے حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ ہم ذیل میں ایسے چند خوش نصیب لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو ان کی تحقیق اور توفیق خداوندی نے منزل مراد تک پہنچایا اور انہوں نے کلمۂ توحید پڑھ کر دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کی۔

ا: عبداللہ بن عبداللہ

ان کے قبول اسلام کا حال پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب "دعوت اسلام" میں تفصیل سے لکھا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ نے عبداللہ بن عبداللہ کا پرانا عیسائی نام ذکر نہیں کیا کیونکہ پروفیسر موصوف نے ان کے حالات ان کی خودنوشت سے نقل کئے ہیں جس میں ان کا صرف اسلامی نام مذکور ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ جزیرہ میورقہ میں ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت اس انداز میں ہوئی کہ وہ بڑے ہو کر عیسائی پادری بن سکیں۔ مختلف یونیورسٹیوں سے دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ایک عمر رسیدہ پادری کی خدمت میں گزارا۔ اس پادری کو عالم عیسائیت میں بڑی شہرت حاصل تھی اور لوگ اس کے بڑے قدردان تھے۔ پادری کو اپنے اس شاگرد پر بڑا بھروسہ تھا اور اس نے اپنے

مال ومتاع کی کنجیاں اس کے حوالے کر رکھی تھیں۔

ایک دن پادری اپنی درس گاہ نہ جا سکا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کے شاگرد دیر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر بحث کرتے رہے کہ ''میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا'' وہ یہ بحث کرتے رہے کہ اس کلام میں فارقلیط سے مراد کون ہے؟ لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ عبداللہ نے واپس جا کر پادری کے سامنے اس بحث کا ذکر کیا اور اپنے استاذ سے درخواست کی کہ جس طرح انہوں نے اپنے علم کے بے بہا موتی عطا فرمائے ہیں اسی طرح اس عقدے کو بھی حل کر دیں۔ پادری نے رونا شروع کر دیا اور کہا: میرے بیٹے! بے شک تم مجھے بہت عزیز ہو کیونکہ تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ فی الواقع اس مبارک نام کے معنی دریافت کرنے میں بڑا فائدہ ہے مگر مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے اس کے معنی تم پر ظاہر کر دیئے۔ تو عیسائی تجھے فوراً مار ڈالیں گے۔ عبداللہ نے راز افشاء نہ کرنے کا وعدہ کیا تو پادری نے کہا: ''میرے فرزند! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ فارقلیط پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن پر وہ چوتھی کتاب نازل ہوئی۔ جس کا اعلان دانیال کی زبان سے ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دین یقیناً سچا دین ہے اور ان کا مذہب وہی شاندار اور پورا مذہب جس کا ذکر انجیل میں آیا ہے۔ پادری نے عبداللہ کو دین اسلام قبول کر لینے کی نصیحت کی، لیکن خود عبداللہ کی منت سماجت کے باوجود اس نعمت کو اپنے دامن میں سجانے سے محروم رہا۔

عبداللہ استاذ سے رخصت ہوا، مختلف ممالک سے ہوتا ہوا تیونس جا پہنچا۔ وہاں کے عیسائیوں نے آپ کی شہرت کی وجہ سے بہت خاطر مدارت کی وہ چار مہینے عیسائیوں کے پاس رہا۔ اس کی بڑی خاطر مدارت کی گئی۔ آخر وہ تیونس کے سلطان ابوالعباس احمد کے پاس پہنچے اور اسلام قبول کرنے کے ارادے کا اظہار کیا۔ سلطان نے انہیں خوش آمدید کہا۔ عبداللہ نے درخواست کی کہ سلطان ان کے اسلام قبول کرنے کے اعلان سے پہلے عیسائیوں کی ان کے متعلق رائے معلوم کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے اس پر اس کے ہم مذہب ہر قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا ''تم نے تو بالکل وہی بات کہی ہے جس طرح عبداللہ بن السلام نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کہی تھی۔

سلطان نے عبداللہ کی درخواست کے مطابق عیسائیوں کو شاہی دربار میں جمع کیا اور ان سے عبداللہ کے بارے میں پوچھا۔ جب سلطان عیسائیوں سے یہ سوال و جواب کر رہے تھے عبداللہ برابر والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ عیسائیوں نے جواب دیا " وہ ہمارے بہت بڑے عالم ہیں ۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے علم وفضل اور پرہیزگاری میں عبداللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ سلطان نے عیسائیوں سے پوچھا کہ اگر تمہارا یہ پادری مسلمان ہو جائے تو تم اس کی نسبت کیا خیال کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا۔ معاذ اللہ! وہ کبھی ایسا نہیں کرسکتا۔ سلطان نے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا۔ عبداللہ دوسرے کمرے سے اٹھ کر سلطان کے پاس آئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اسلام میں شامل ہو گئے۔ عیسائیوں نے عبداللہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہا، اس شخص نے صرف شادی کے شوق میں یہ حرکت کی ہے کیونکہ پادری کی حیثیت میں وہ شادی نہیں کرسکتا تھا۔ عبداللہ نے مسلمان ہونے کے بعد ۱۴۲۰ء میں عیسائیوں کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "هدية الاريب فى الرد على اهل الصليب" رکھا۔ پروفیسر آرنلڈ نے عبداللہ کے حالات زندگی اسی کتاب کے مقدمے سے نقل کئے ہیں(30)۔

۲: رسل ویب (Russel Webb)

ان کا پورا نام محمد الیگزینڈر رسل ویب ہے۔ ان کا تعلق امریکہ سے ہے۔ ادیب مصنف اور صحافی تھے۔ سینٹ جوزف گزٹ اور "میسوری ریپبلکن" کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۸۸۷ء میں منیلا (فلپائن) میں ریاست متحدہ امریکہ کے قونصلر مقرر ہوئے۔ رسل ویب فرماتے ہیں:

> "میں گہرے اور وسیع مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اسلام وہ واحد اور بہترین نظام حیات ہے جو انسان کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بعض نوجوانوں کے برعکس میں ابتداء سے مذہب کے ساتھ اچھا لگاؤ رکھتا تھا۔ مگر بیس سال کی عمر میں جوں ہی شعور مند ہوا، چرچ کی خشک اور بے معنی رسومات وقیود سے سخت بیزار ہوا۔ عیسائیت سے بیزار ہو کر میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا۔ لیکن کوئی مذہب مجھے مطمئن نہ کرسکا۔ آخر اسلام کو پڑھنے کا موقعہ ملا تو حق واضح ہو کر سامنے آ گیا۔ یاد رہے! میں نے اسلام کو کسی جذباتی رد عمل، اندھی عقیدت یا

محض سطحی جوش سے متاثر ہو کر قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل، مخلصانہ، دیانتدارانہ اور قطعی غیر متعصبانہ مطالعہ اور تحقیق کارفرما ہے'' (31)۔

۳: جان سنت

انگریز مبشر ''جان سنت'' نے اسلام قبول کر کے اپنا نام ''محمد جان'' رکھا۔ ان کا تعلق برطانیہ کی ''سالویشن آرمی'' کے ساتھ تھا۔ جس کا مشن عیسائیت کی تبلیغ ہے۔ وہ کہتے ہیں ''میرے دل میں عیسائیت کے متعلق شکوک پیدا ہوئے تو میں اشتراکیت کی طرف مائل ہوا۔ لیکن اس نظام میں میری روح کے لئے کچھ نہ تھا پھر بدھ مت اور دیگر ادیان کے مطالعہ کے بعد ۱۹۵۰ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اسلام کے مطالعہ سے مجھے اپنی زندگی کے تمام مسائل کا حل پوری وضاحت کے ساتھ مل گیا۔ پھر برطانیہ میں ''برٹش مسلم ایسوسی ایشن'' قائم کی۔ میرے کثیر ہم وطن انگریزوں نے اسلام کی تعلیمات کو سمجھ لینے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

۴: ڈاکٹر مارٹن لنگز Dr. Martin Lings

مشہور برطانوی مستشرق ڈاکٹر مارٹن لنگز مصر یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر اور پھر ''برٹش میوزم لائبریری'' کے سربراہ رہے۔ انہوں نے اسلام کا تفصیلی مطالعہ کیا اور اسلامی تصوف کو خصوصی توجہ دی بقول زکریا ہاشم زکریا ''وہ تصوف کی سیڑھی کے ذریعے خدا تک جا پہنچے'' (32)۔

۵: ڈاکٹر ارتھر کین

اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام علی عمر کریم رکھا۔ شروع میں مختلف ادیان کا مطالعہ شروع کیا، کہتے ہیں'' بیس سال کے مطالعہ سے مجھے عقلی اور روحانی طور پر یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے میں نیویارک کی مسجد میں پہنچا، میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر کا انسان مجھے نمازیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کی اور میرے رب نے میرے دل کو ہدایت کے نور سے بھر دیا'' قرآن کریم کے بارے میں فرماتے ہیں'' یہ ایک مقدس ربانی کتاب ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی'' (33)۔

۶: علامہ محمد اسد (پولینڈ)

۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ پہلا نام "لیوپولڈ ویس" تھا۔ بائیس سال کی عمر میں مشرق وسطی کا سفر کیا۔ جرمنی کے ایک اخبار "فرانکفرٹر" نے ان کو مشرق وسطی کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کیا۔ قبول اسلام کے بعد تقریباً چھ برس تک مدینہ منورہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں میں مقیم رہے۔ پھر برصغیر آگئے اور سالہا سال شاعر مشرق علامہ اقبال کے قریب رہنے کا شرف حاصل کیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں حکومت کی زیر سرپرستی ایک جدید محکمہ "اسلامی تعمیر جدید" کی تنظیم ونگرانی پر مامور کیا گیا۔ بعد میں ان کی خدمات محکمہ خارجہ کو منتقل کردی گئیں اور ان کا تقرر وزارت خارجہ میں مشرق وسطی کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے ہوا۔ بعد میں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب بھی رہے۔ ان کا قیام پاکستان، سعودیہ کے علاوہ مراکش میں بھی رہا۔ انہوں نے اپنی زندگی تصنیف وتالیف کے لئے وقف کردی۔ ان کی دو کتابیں "اسلام آن کراس روڈز" اور "اے روڈ ٹو مکہ" بہت مشہور ہیں (34)۔

۷: لارڈ ہیڈلے الفاروق (Lord Headley Al-Farooq)

۱۹۱۸ء میں مسلمان ہوئے۔ ان کا پہلا نام "وائٹ آنریبل سر رولینڈ جارج ایلن سن" تھا۔ انگلستان کے امراء میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ سیاستدان بھی تھے اور مصنف بھی۔ ان کی کتابوں میں (Western Awakening to Islam) بہت مشہور ہے۔ وہ اپنے اسلام کے متعلق لکھتے ہیں: "ممکن ہے میرے کچھ دوست سمجھیں کہ میں نے مسلمانوں سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا ہے۔ لیکن میرے اسلام قبول کرنے کا سبب یہ نہیں۔ میرا اسلام تو کئی سالوں کے مسلسل مطالعہ کا نتیجہ ہے۔" اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا نام شیخ رحمت اللہ الفاروق رکھا (35)۔

۸: علاؤالدین شلبی

ایک جرمن مفکر تھے۔ اسلام قبول کرنے کے متعلق فرماتے ہیں: "میں نے مغرب کی گمراہی کو محسوس کیا کہ

الحادیت اور سرمایہ داری کے مادی نظاموں میں سرگرداں ہیں۔ وہ لوگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ اس تاریک ماحول میں، میں نے محسوس کیا کہ اسلام تمام ادیان کا نچوڑ ہے۔ میں اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک روز میری نظر قرآن پڑھتے ہوئے اس آیۃ کریمہ پر پڑی (فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ)(دوڑ و اللہ تعالیٰ کی طرف)۔ میں نے سوچا میں کہاں جاؤں؟ آخر قاہرہ مصر جانے کا فیصلہ کیا۔ ایک مجلس میں پہنچا جہاں اکناف عالم سے آئے ہوئے مسلمان رنگ و نسل کی تمیز کے بغیر ذکر'' اللہ'' میں مصروف تھے۔ میں بھی اُس مجلس میں شامل ہوا۔ میں اس وقت اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھ رہا تھا جب میرا ہاتھ ایک سیاہ فام مسلمان بھائی کے ہاتھ میں تھا۔ اور ہم'' اَللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ رہے تھے۔ سچ ہے اسلام وہ دین ہے جو کبھی مغلوب نہ ہوگا(36)۔

۹: ڈاکٹر عمر رولف ایرنفلس (Dr. Umar Rolf Ehrenfels)

ان کا تعلق آسٹریا سے تھا۔ پہلی جنگ عظیم نے ان کو ترکوں اور عربوں کے حالات جاننے کی طرف مائل کر دیا۔ پھر اپنے والد اور ان کے دوست کی نگرانی میں مشرقی مذاہب اور مشرقی زبانوں کی تعلیم میں باقاعدہ مشغول ہوگئے۔ پھر اپنے ایک دوست کے ساتھ ترکی کا سفر کیا۔ ترکوں کے برتاؤ نے ان کو بہت متاثر کیا۔

ترکی سے واپس اپنے وطن آ کر انہوں نے ترکی کے بارے میں ایک کتاب لکھی جو برلن کے رسالے ''مسلم ریویو'' میں قسط وار چھپی۔ اسی رسالے کی وساطت سے ان کی ملاقات سیالکوٹ کے ایس این عبداللہ سے ہوئی جن کے ساتھ انہوں نے برصغیر کا سفر کیا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''یہ سفر میری زندگی کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا اور میں نے بالآخر وہ فیصلہ کر ہی لیا جس کی طرف قدرت ایک مدت سے میری راہنمائی کر رہی تھی۔ اسلام کی مندرجہ ذیل باتوں نے مجھے خصوصی طور پر اپنی طرف متوجہ کی۔

۱: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام ایک ہی پیغام لے کر آتے رہے، روشنی کا منبع ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور ہر نبی نے نسل انسانی کے سامنے جو پروگرام پیش کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال کارناموں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق الفطرت حیثیت نہیں دی جاتی ہے۔

۴: اسلام انسانی اخوت کا علمبردار ہے اور نسلی یا لسانی تفریق کا قائل نہیں۔

۵: اسلام پوری انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہے (37)۔

اور بھی بہت سے مستشرقین نے اسلام کو قبول کیا۔ جن میں ڈاکٹر غرینیہ (فرانس)، ڈاکٹر خالد شیلڈرک، محترمہ جمیلہ (امریکہ)، ڈاکٹر عبداللہ علاؤالدین (جرمنی)، الفونس اتیین (فرانس)، ڈاکٹر تھرکین (امریکہ)، مسٹر ڈبلیو ایچ کیولیم (W. H Quilliam) وغیرہ شامل ہیں۔ اسلام کی دہلیز پر جبین فرسائی کرنے والوں میں صرف اہل مغرب ہی نہیں بلکہ مشرقی اقوام مذاہب مثلاً ہندومت، بدھ مت، سکھ مذہب کے پیروکاروں نے بھی مسلسل مطالعہ کے بعد اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مستشرقین صدیوں سے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے میں کوشاں ہیں۔ لیکن ان کی مساعی کے باوجود ان کی اپنے مذاہب اور ان کی اقوام کے لوگ دھڑا دھڑ اسلام قبول کررہے ہیں۔

4۔ مستشرقین کے اہداف

مستشرقین گو اپنے اصل ارادوں کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان پروگراموں، ان کی تحریروں اور کانفرنسوں وغیرہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اہل مغرب جو مشرق خصوصاً اسلام پر اپنی توجہ دیتے ہیں ان کے اصل مقاصد کیا ہیں۔ آج تحریک استشراق ایک علمی تحریک کے طور پر متعارف ہے، لیکن اس تحریک کی تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اس تحریک کا آغاز جس مقصد کے تحت ہوا تھا وہ مقصد دینی تھا۔ ہلال و صلیب کے درمیان صدیوں سے جو معرکہ آرائی رہی اس کے بنیادی اسباب دینی تھے اور استشراق کی تحریک چونکہ اس طویل کشمکش کا حصہ ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں کہ اس تحریک کا آغاز جن مقاصد کے تحت ہوا وہ مقاصد دینی تھے۔

تحریک استشراق السنہ الشرقیہ سے واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے یک رخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں

رہا، بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض وعناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا، لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اب مستشرقین کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کریں۔ اسلام کی حقانیت اوراسلام کے ساتھ اہل اسلام کے جذباتی لگاؤ کو کم کرنے کے لئے مناسب دلائل تلاش کریں۔ مسیحیت کو عالم اسلام میں ایسی شکل وصورت دے کر پیش کریں کہ اس میں کشش اور جاذبیت ہو۔ مشنری سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کریں اور خاص کر عالم اسلام میں مشنریز کا مربوط جال (Net Work) پھیلانے کے لئے مالی اور مادی وسائل جمع کریں اور انہیں بروئے کار لائیں۔ اور یہ بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ مستشرقین کے صرف دینی مقاصد نہیں بلکہ اور بھی مقاصد ہیں جیسے اقتصادی، سماجی، سیاسی اور علمی مقاصد ہیں۔ جن کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں۔

4.1 - دینی مقاصد اور اہداف

پہلے ہم نے ذکر کیا کہ اس تحریک کا آغاز جس مقصد کے لئے ہوا تھا وہ مقصد دینی تھا۔ ہلال و صلیب کے درمیان صدیوں جو معرکہ آرائی رہی اس کے بھی بنیادی اسباب دینی تھے اور ساتھ ساتھ جب ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیلا تھا اور جس سرعت کے ساتھ اسلام نے لاتعداد انسانوں، متعدد علاقوں اور کئی تہذیبوں کو مسخر کیا تھا وہ یہود اور نصاریٰ کے لئے لمحہ فکریہ بن گئی تھی۔ انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اگر اسلام کی اشاعت اسی رفتار سے جاری رہی تو ساری دنیا پر توحید کا پرچم لہرانے لگے گا۔ صلیب ٹوٹ جائیں گی۔ اور بنواسرائیل اور یہودیت کا وجود ختم ہو جائے گا۔۴ ان خطرات کے پیش نظر انہوں نے اسلام کے راستے میں بند باندھنے شروع کر دیئے اور تحریک استشراق بھی اسلام کے راستے میں بند باندھنے کی کوششوں کا ہی حصہ تھا۔ علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوتے وقت اپنے دین کے حوالے سے درج ذیل مقاصد تھے:

۱: اسلام کی حقانیت اور اسلام کے ساتھ اہل اسلام کے جذباتی لگاؤ کو کم کرنے کے لئے مناسب دلائل تلاش کریں۔

۲: اقوام عالم میں اسلامی پھیلاؤ کو روکا جائے۔

۳: مشنری سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کیا جائے۔

۴: اقتصادی اہداف۔

۵: سیاسی اہداف۔

مندرجہ بالا مقاصد حاصل کرنے کے لئے مستشرقین نے انتہائی غور و تدبر کے ساتھ منصوبہ بندی کی، اور ساتھ ساتھ عربی زبان کی تدریس کا بندوبست کیا گیا۔ کیونکہ بغیر عربی زبان کے ان کا مقاصد تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی کتابوں کے ترجمے مغربی زبانوں میں ہونے لگے۔ عربی کتابوں کے ترجموں کے ساتھ لمبے چوڑے مقدمے لکھ کر شامل کتب کیے گئے جن کے ذریعے قارئین پر مستشرقین کا نقطہ نظر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسی کتابیں لکھی جانے لگیں جن میں اسلامی تعلیمات کو انتہائی گھناؤنی شکل میں پیش کیا گیا اور خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے نورانی گوشوں کو بدنما بنا کر پیش کرنے کی ایسی مذموم کوششیں کی گئیں جو پوری انسانیت کے لئے باعث عار ہیں۔

ساتھ ساتھ عیسائی مبلغین نے عیسائیت کی تبلیغ کی تربیت حاصل کی اور پھر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ ان لوگوں نے اپنے لئے جو لقب پسند کیا وہ مستشرق کا لقب تھا۔ انہوں نے انسانی ہمدردی، اخوت، رحمدلی، مساوات اور آزادی کے خوب صورت لباس زیب تن کر رکھے تھے لیکن ان کے سینوں میں بھی اسلام دشمنی کا وہی لاوا ابل رہا تھا، جو یہود و نصاریٰ کی پہچان ہے۔ اہل مغرب اسلام کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کر دینا ضروری ہے تاکہ کوئی کسی کو کسی خوبصورت بھیس میں دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے۔

برطانیہ کا ایک سابق وزیر اعظم " گلاڈسٹن " نے اسلام کے متعلق اپنی قوم کو آگاہ کیا اور کہا:

" جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ قرآن موجود ہے اس وقت تک یورپ مشرق پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتا اور نہ ہی یورپ خود محفوظ ہے" (38)۔

''ہملٹن کب'' نے ان الفاظ میں اپنے سینے میں چھپے ہوئے جذبات کا اظہار کیا:

''مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی طرف مائل کرنے کی کوششوں کا مقصد اسلامی تہذیب کا خاتمہ ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی ملی وحدت کی بنیاد یہی تہذیب ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تعلیمی، ثقافتی اور ابلاغی ذرائع سے کام لے کر اس تہذیب میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں عمل میں لائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو ان کا عمل اپنے دین سے بے بہرہ قوم ظاہر کرے گا۔ لیکن خود ان کو اس کا احساس تک نہ ہوگا'' (39)۔

''لورانس بروان'' نے اپنے استشراقی جذبات کا اظہار اس طرح کیا:

''حقیقی خطرہ اسلامی نظام، اس کے پھیلنے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت اور اس کی قوت حیات میں ہے۔ مغربی استعمار کے راستے میں یہی واحد دیوار ہے'' (40)۔

برطانیہ کے سابق وزیراعظم ''گلاڈسٹین'' نے برطانوی دارالعوام میں قرآن حکیم ہاتھ میں پکڑ کر بآواز بلند کہا: ''اسلامی ممالک میں ہماری نوآبادیوں کے لئے دو چیزیں خطرہ ہیں اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر قیمت پر ان دونوں چیزوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ان میں سے ایک یہ کتاب ''یعنی قرآن حکیم'' ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا ''یہ کعبہ''

''ڈاکٹر راطسون'' جو قاہرہ میں امریکی یونیورسٹی کا سابق مدیر ہے وہ کہتا ہے:

''ہم اسلامی مدارس میں تدریس قرآن کے عمل کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں اور اس میں ہمیں بڑا خطرہ پوشیدہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ قرآن اور اسلامی تاریخ دو عظیم خطرے ہیں۔''

''اسلام کے خلاف تبلیغی اور تنصیری کوششوں کو صرف اسلامی ممالک تک محدود نہیں رہنا چاہئے، بلکہ ضروری ہے کہ یورپ میں مقیم مسلمانوں کے دلوں سے بھی اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ صرف مغربی یورپ میں دس ملین مسلمان آباد ہیں۔ جن کی اکثریت

برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں مقیم ہے ان کے درمیان بھی تبشیری کام کرنا ضروری ہے"(41)۔

مصری کلیسا کے سربراہ "شنودہ" نے اپنے ایک خطبے میں کہا:

"ضروری ہے کہ ہم موجودہ تبشیری کوششوں میں اضافہ کریں، مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں سے اسلام نکال دیا جائے۔ ضروری نہیں کہ وہ سب لوگ عیسائیت میں داخل ہو جائیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ متزلزل ہو جائے۔ اس لئے قرآن میں شک پیدا کرنے، اس کا بطلان ثابت کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ہمیں ہر طریقے پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر ہم اگلے مرحلے میں ان تبشیری مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ قومیں ہمارے راستے سے ہٹ جائیں گی۔ اور آئندہ اگر یہ ہمارے ساتھ نہ ہوئیں تو ہمارے خلاف بھی نہ ہوں گی"(42)۔

عیسائیت کے تربیت یافتہ مبشرین نے عالم اسلام کا رخ کیا۔ ان تبلیغی مشنوں کا نشانہ پورا عالم اسلام تھا۔ مختلف ممالک سے جو مشن اسلامی ممالک میں وارد ہوئے، ان کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشن صرف کلیسا کی کوششوں سے عالم اسلام میں وارد نہیں ہوئے تھے بلکہ ان مشنوں کو بھیجنے میں ان ممالک کی حکومتوں کا بڑا دخل تھا۔

مستشرقین نے اسلامی ممالک میں مختلف ناموں کی تنظیموں کے تحت جتنی کارروائیاں کی ان کے مقاصد ایک ہی تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے مختلف بھیس بدلے ہوئے تھے اس لئے عموماً لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اہل مغرب کی مختلف تنظیمیں مختلف مقاصد کے تحت سرگرم عمل رہی ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی علم کا پیاسا تھا جو علم کی پیاس بجھانے کے لئے مشرق کے کونے کونے میں پھرتا رہا۔ کوئی تاجر تھا جو اپنی تجارتی سرگرمیوں کو وسعت دینے کے لئے نئے امکانات کی تلاش میں تھا۔ کچھ لوگ وہ تھے جو اپنے مذہب کا جھنڈا اکناف عالم میں لہرانا چاہتے تھے اور اس جذبے کے تحت مشرق خصوصاً اسلامی ممالک میں سرگرم عمل تھے اور کچھ لوگ وہ تھے جو ممالک اسلامیہ کو اپنے سیاسی تسلط میں

لانے کے لئے تدبیریں سوچ رہے تھے۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے میدان میں سرگرم عمل تھے اور ان کا باہم کوئی تعلق نہ تھا لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان مختلف مقاصد کے حامل لوگ مشرق میں بالکل یک جان تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی طور پر ان میں سے کوئی تنظیم بھی اپنے مقاصد تنہا حاصل نہ کر سکتی تھی۔

واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں اہل مغرب کے لئے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا۔ اس کے بعد پرتگالیوں نے اپنی سلطنت کی بنیادیں رکھنا شروع کر دیں۔ جس کی حدیں مالقہ سے ہندوستان اور سیلون تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان حکمرانوں کے بعد پرتگالی تاجر آئے جنہوں نے اپنے حکمرانوں کی پشت پناہی میں مشرقی تاجروں کا مقابلہ کیا۔ ان کے بعد مبشرین آئے اور انہوں نے اپنی حکومتوں کے زیر سایہ اپنی سرگرمیاں شروع کی۔ کلیسائے برطانیہ کی تبشیری کونسل نے ۱۹۱۰ء میں ہندوستان میں اپنے کام کی رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے اعتراف کیا: ''دو ہزار تبشیری مراکز، ایک ہزار مدرسے اور سینکڑوں تبلیغی مہمیں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اعلیٰ تعلیم کا مدرسہ ہے جس میں مسلمان بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تبشیری کوششوں کی ان کامیابیوں کا سبب وہ تعاون اور امداد ہے جو مبشرین کو مسٹر لورنس، سر منٹگمری اور کرنل مارٹن کی طرف سے حاصل ہوتی تھی (43)۔ صرف یہی نہیں بلکہ ۱۹۶۰ء کے زمانے میں امریکہ میں علوم شرقیہ کے کئی ایسے ادارے قائم تھے جن کے اخراجات ''فورڈ کمپنی'' برداشت کرتی تھی (44)۔

یہودی گو عیسائیوں کے دشمن ہیں لیکن ممالک اسلامیہ میں جن کوششوں میں عیسائی مبشرین مصروف تھے ان کے لئے یہودیوں نے بھی دل کھول کر ان سے تعاون کیا۔ انہوں نے نہ صرف ان کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھولے بلکہ ''گولڈ زیہر، بندلی جوزی اور یوری ایفانوف'' جیسے جہاندیدہ اور ہوشیار لوگوں کو ان کی صفوں میں شامل کر کے ان کے کام کو آسان بنایا۔ (45)

مشہور مستشرق ''فنسنک'' نے ''معجم المفہرس لالفاظ الحدیث'' مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا تو اس منصوبے کے لئے مالی امداد مہیا کرنے والوں میں ہالینڈ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، اٹلی، یوگوسلاویہ، سویڈن، ڈنمارک اور ناروے کے کئی سرکاری ادارے شامل تھے (46)۔ مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اتنے عیسائی ممالک، جن کی اسلام دشمنی تاریخ کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، کیا وہ یہ سب کوششیں مسلمانوں کی مدد

اورانہیں فائدہ پہنچانے کے لئے کر رہے تھے یا ان کی بظاہر ہمدردانہ کوششوں کے پیچھے کچھ اور مقاصد کارفرما تھے؟

4.2 - تحقیقی اور علمی اہداف

مستشرقین کے تمام علمی اور تحقیقی کاموں کے پیچھے علم کی خدمت کا جذبہ کارفرمانہ تھا بلکہ علم کی خدمت کے لبادے میں دراصل اسلام اور مسلمانوں سے مقابلہ مقصود تھا۔لیکن یہ اصول تمام مستشرقین پر لاگوں نہیں ہوتا۔ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے۔کہ انہوں نے صرف علم کے حصول اور علم کی خدمت کے جذبہ سے اپنی زندگیاں تحقیق کے خارزار میں گزاردیں۔اسلامی موضوعات پر ان کے علم سے ایسی باتیں نکلی ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق منصفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔گوان کی تحریروں میں بہت سی باتیں غلط بھی ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی جو مسلمان نہ ہواوراس کے پیش نظر کتابوں کا وہ ذخیرہ ہو جواسلام کے متعلق زہریلے پروپیگنڈے سے پُر ہے۔اس آدمی سے اس قسم کی غلطیوں کا صادر ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

4.3 - مالی اور اقتصادی مقاصد

علمی اور دینی مقاصد کے ساتھ ساتھ تجارتی اور مالی مقاصد بھی مستشرقین کے پیش نظر تھے،جن کی وجہ سے وہ مشرقی زبانوں اور مشرق کے دیگر حالات کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے۔اہل مغرب خصوصاً اٹلی کے لوگوں کے مشرقی ممالک کے ساتھ قدیم تجارتی تعلقات تھے۔اہل مشرق کے ساتھ اپنے تجارتی معاملات کواچھے طریقے سے طے کرنے کے لئے انہوں نے عربی زبان کی تعلیم کوضروری سمجھا۔ان کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۲۶۵ء میں تونس اور اٹلی کے شہر "بیرا" کے تاجروں کے درمیان تجارتی معاہدہ ہوا اسے عربی زبان میں لکھا گیا (47)۔اہل مشرق کے ساتھ اٹلی کی تجارت کو دیکھ کر فرانس بھی مشرق کے ساتھ تجارت کی طرف مائل ہوا۔فرانسیسیوں نے ۱۶۶۵ء میں "شارنبتید" کی قیادت میں مشرقی ممالک کے سروے کے لئے ایک مہم ترتیب دی۔اس مہم کے ارکان کی اکثریت مختلف شعبوں کے علماء اور ماہرین پر مشتمل تھی ان لوگوں نے فرانسیسیوں کے لئے ممالک شرقیہ کے خزانوں کا سراغ لگایا۔بعد میں اس قسم کی کوششوں میں انگلینڈ بھی شامل ہوا۔انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر میں جو کردار ادا کیا تھا اس قسم کا کردار دیگر ممالک اسلامیہ میں کئی مغربی تجارتی کمپنیوں نے ادا کیا۔یہی تجارتی کمپنیاں استعمار کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

مشرق میں دولت کے ذخیرے دیکھ کر اہل مغرب کے منہ میں کس حد تک پانی بھر آیا تھا۔ اس کا اندازہ ایک مستشرق ''روبراخ'' کے ان جملوں سے کیجئے۔ مستشرق مذکور نے اپنی ایک کتاب میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''میں اس وقت کو اپنی چشم تخیل کے ساتھ کن حسین آرزوؤں سے دیکھ رہا تھا جب (ہم بابل کے حسین علاقوں میں قیام پذیر ہوں گے) ہر طرف درختوں کی خوبصورت قطاریں ہوں گی۔ سیاہ فام مقامی لوگ شمالی عراق کے خوبصورت علاقوں کو ہماری خاطر خالی کر کے جنوب کے دور دراز علاقوں میں چلے جائیں گے تاکہ ہم جرمنوں کے لئے کثرت سے گندم پیدا کریں'' (48)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مغرب کی نظر میں صرف ممالک شرقیہ کی دولت پر ہی نہیں بلکہ وہ ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنا غلام دیکھنا چاہتے ہیں۔

4.4 - سیاسی اہداف

اہل مغرب نے مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا لیکن اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے صدیوں کے تلخ تجربات کی بنا پر تلوار کے استعمال کو خلاف مصلحت سمجھا۔ انہوں نے انسانوں کی ایسی جماعتیں تیار کیں جنہوں نے علم کی محبت اور خدمت انسانیت کے حسین جامے زیب تن کر رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ ممالک اسلامیہ میں ایسے حالات پیدا کریں کہ جب عملی طور پر اہل مغرب ان ممالک پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے کے لئے آگے بڑھیں تو ان ممالک کے شہریوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا امکان نہ ہو۔

انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے۔ انہیں معلوم تھا کہ ملت اسلامیہ کسی ایک نسلی یا جغرافیائی وحدت کا نام نہیں بلکہ اس ملت میں مختلف نسلوں، مختلف رنگوں اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر ان کے عقیدے کی گرفت ختم ہو جائے یا کمزور، تو یہ قوم پارہ پارہ ہو سکتی ہے انہوں نے اسلامی عقیدے پر حملے شروع کر دیئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر مسلمان کے عقیدے کا مرکز ہیں۔ اہل مغرب نے ان کی ذات بابرکات پر ایسی الزام تراشیاں کیں کہ

شرافت، ندامت کی وجہ سے منہ چھپانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہر برائی جس کا تصور ممکن ہے اسے کائنات کی اس پاکیزہ ترین ذات کی طرف منسوب کیا گیا۔ قرآن حکیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی اختراع کہا گیا۔ مسلمانوں کو اسلامی اقدار سے بے بہرہ کرنے کی باقاعدہ مہم چلائی گئی۔ ایسی تعلیم کو فروغ دیا گیا جو مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دے۔ مسلمانوں کو اپنے تشخص اور اپنی تہذیب سے بے گانہ کر کے مغربی تہذیب کی طرف دعوت دی گئی۔ یہ سارے کام مغرب کے سیاستدانوں نے مستشرقین اور مبشرین سے کرائے۔ مقصد یہ تھا کہ جب مستشرقین کے پھیلائے ہوئے خیالات ونظریات امت مسلمہ پر اثر انداز ہوں گے تو اس کا نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے، ایک صورت میں دین کا عظیم الشان محل انتشار کا شکار ہو جائے گی اور یہ قوم مزاحمت کے قابل نہیں رہے گی۔ دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ ملت کا ایک طبقہ مغربی خیالات ونظریات کو تسلیم کر لے گا اور دوسرا طبقہ ان نظریات کو اسلامی اقدار پر حملہ تصور کر کے ان کی مخالفت کرے گا اور اس صورت میں بھی ملت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور مبشرین پر پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مستشرقین اور مبشرین کو اپنی کوششوں کو آگے بڑھانے کا لئے خود امت مسلمہ میں سے بھی کئی بے ضمیر لوگ مل گئے جنہوں نے ان اسلام دشمن کارروائیوں کو آگے بڑھانے کے لئے زبردست کام کیا اور ساتھ ساتھ مستشرقین نے مسلمانوں کو فرقہ واریت کے جہنم میں بھی پھینکنا چاہا تو اس مشن کی تکمیل کے لئے انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے کارکن میسر آ گئے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے ایک طرف دین سے تعلق منقطع کرنے کی تدبیریں کیں تو دوسری طرف انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ مسلمان بعد میں ہیں اور پہلے وہ عرب، ترک، ایرانی اور افغان وغیرہ ہیں۔ اس طرح نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو بھڑکا کر مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی گئی۔

5 - مستشرقین اور قرآن کریم کے مابین تعلق کی کیفیت اور نوعیت

مستشرقین نے اسلام پر تحقیق کرتے ہوئے یہ رویہ اپنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ (وَقُرْآنًا فَرَقْنَهُ لِتَقْرَاَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنَهُ تَنْزِيْلًا) (49) (اور قرآن کریم کو ہم نے متفرق طور سے اس لئے اتارا تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔)

مستشرقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مستشرقین کی ایک معقول تعداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تعلیمات کی مدد سے تاریخ انسانی میں جو انقلاب برپا کیا، اس کی عظمت کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس حیات بخش پیغام کے کلام الٰہی ہونے کا انکار بھی کرتے ہیں۔ اس انکار کے بعد ان کی کیفیت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ یہ کلام جس نے نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ پوری دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اگر یہ خداوند کریم کا کلام نہیں تو پھر اس کا مصدر ومنبع کیا ہے؟ پھر وہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے اور اس لاثانی کلام کے مصدر ومنبع کا کھوج لگانے کے لئے میدان خیال میں اپنی تحقیق وجستجو کے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیتے ہیں۔ کبھی یہود ونصاریٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد قرار دیتے ہیں۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی عظمتوں کو سلام کر کے قرآن حکیم کو ان کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ کبھی جزیرہ عرب کے جغرافیہ، تاریخ اور تہذیب کے ساتھ اس حیات بخش پیغام کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ مختلف مراحل میں جن مسائل سے دوچار ہوتی رہی، ان مسائل کا حل تلاش کرنے اور اپنے پیروکاروں کے اعتماد کو بحال رکھنے کے لئے آپ حسب ضرورت قرآنی آیات خود بناتے رہے۔

کئی مستشرقین نے قرآن کریم کی نزولی ترتیب خود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ولیم میور، ہبرٹ گرمے (Hubret Grimme)، تھیوڈور نولڈک (Theorod Noldeke) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے قرآن حکیم کی نزول ترتیب پر کتابیں لکھی ہیں (50)۔

اس موضوع پر نولڈک اور رچرڈ بیل کا کام مستشرقین کے ہاں بڑا مستند شمار کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی اس خودساختہ نزولی ترتیب کے بل بوتے پر وہ قرآن کریم پر بڑے عجیب و غریب اعتراضات کرتے ہیں۔ اسی طرح مستشرقین نے قرآن حکیم کی جمع وتدوین پر بھی دل کھول کر اعتراضات کرتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ ان کے جوابات آئندہ ذکر کریں گے۔

مستشرقین قرآن کریم کی مختلف قراأتوں کو قرآن حکیم کے مختلف (Version) قرار دیتے ہیں۔ "Versiion" کا لفظ عیسائی ادب میں جس معنی میں استعمال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ہاں انجیل چار مختلف روایتوں سے موجود ہے۔ متی کی انجیل، لوقا کی انجیل، مرقس کی انجیل اور یوحنا کی انجیل۔ یہ چاروں انجیلیں مستقل کتابیں ہیں۔ تاہم ان میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ ہر ایک مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ لکھی ہے۔ ایسی سینکڑوں انجیلیں لکھی گئیں۔ لیکن کلیسا نے اکثر کو تلف کر کے صرف مذکورہ بالا چار انجیلوں کو مستند قرار دیا۔ ان انجیلوں میں عیسائی علماء مختلف اوقات میں نظر ثانی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ جب کوئی انجیل نظر ثانی کے بعد شائع ہوتی۔ اسے ایک نیا "Version" قرار دیا گیا۔ اس لحاظ سے اناجیل اربعہ میں ہر انجیل کے کئی کئی "Version" ہیں۔ جس طرح ہر انجیل دوسری سے متعدد مقامات پر مختلف ہے اسی طرح ہر انجیل کا ہر "Version" بھی دوسرے "Version" سے مختلف ہے۔ مستشرقین کے آباؤاجداد نے انجیل میں تحریفات کر کے اسے جس مقام پر پہنچا دیا ہے وہ قرآن کریم کو بھی اسی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور اکثریت ان میں دانستہ یا غیر دانستہ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ قرآن کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

خود آزمائی

1- استشراق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم پر جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

2- ظہور استشراق کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

3- مستشرقین کی اقسام پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

4- مستشرقین کے مقاصد اور اہداف پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

5- مستشرقین کے دینی مقاصد کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6- مستشرقین کے تحقیقی اور علمی اہداف پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کیجئے۔

7- مستشرقین کے مالی اور اقتصادی مقاصد کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

8- مستشرقین کے سیاسی اہداف پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

9- مستشرقین اور قرآن کریم کے مابین تعلق کی کیفیت اور نوعیت پر روشنی ڈالیں۔

حوالہ جات

1: ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی، الاستشراق رسالة الاستعمار، ص۱۴۳، القاہرہ ۱۹۹۳ء۔

2: ڈاکٹر محمد احمد دیاب، اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ص۱۰، القاہرہ ۱۹۸۹ء

3: ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب، رؤیة الاسلامیہ للاستشراق، ص۷، الریاض ۱۹۸۸ء

4: ایضاً

5: ایضاً

6: ایضاً

7: ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی، الاستشراق رسالة الاستعمار، ص۱۴۴۔

8: پیر کرم شاہ الازہری، علامہ عبدالرسول ارشد، ضیاء النبی، ج ۶، ص ۱۲۳، لاہور۔

9: ڈاکٹر عفاف صبرہ، المستشرقون و مشکلات الحضارة، ص ۹۔

10: ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفیة الفکریة للصراع الحضاری، ص ۲۵، القاہرہ ۱۹۸۹ء۔

11: ایضاً

12: ڈاکٹر احمد دیاب، اضواء علی الاستشراق، ص ۱۳

13: ایضاً

14: ایضاً

15: ایضاً

16: ضیاء النبی، ج ۶، ص ۱۲۷

17: ڈاکٹر احمد دیاب، اضواء علی الاستشراق، ص ۱۷

18: ایضاً

19: نوٹ: اس بحث کی تفصیل کے لئے بارکر اینسٹ کی کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک نے "حروب صلیبیہ" کے نام سے کیا ہے۔ یہ کتاب مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

20: ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاری، ص ۴۱

21: Michal H. Hart, The 100 A Ranking of the most influntial Persons in History, Newyork, 1978, Page 40

22: Ibid, P: 39

23: ضیاء النبی، ج ۶، ص ۱۹۲

24: ایضاً

25: ایضاً

26: نجیب العقیقی المستشرقون، ج ۲، ص ۴۶۴، دارالمعارف مصر ۱۹۶۴ء

27: ضیاء النبی، ج ۶، ص ۲۰۰

28: "یورپ پر اسلام کے احسان" ص ۹۰۔

29: ایضاً

30: ضیاء النبی، ج ۶، ص ۲۱۵

31: عبدالغنی فاروق، "ہم کیوں مسلمان ہوئے" ص ۴، لاہور ۱۹۸۷ء

32: زکریا ہاشم زکریا، المتشرقون والاسلام، لجنة التعريف بالاسلام جمهورية العربيه المتحده، ص ۴۰، ۱۹۶۵ء۔

33: ص ۵۱۔

34: "ہم کیوں مسلمان ہوئے" ص ۲۰۰

35: لماذا اسلمنا ، مجموعة مقالات لنخبة من رجال الفكر فی مختلف الاقطار عن سبب اعتناقهم الاسلام، مکتبة البحرین ،ص ۵۵

36: المستشرقون والاسلام ،ص ۵۲

37: ضیاء النبی ، ج ۶،ص ۲۲۵

38: محمد محمد الدہان، قوی الشر المتخالفة وموقفها من الاسلام والمسلمین ،ص ۵۲، القاہرہ ۱۹۸۸ء

39: ایضاً

40: ایضاً

41: ایضاً

42: ایضاً

43: الاستشراق وجة للاستعمار الفکری ،ص ۹۲۔

44: ایضاً

45: ایضاً

46: ایضاً

47: ایضاً

48: الاستشراق رسالة الفکر،ص ۱۲۰۔

49: بنی اسرائیل: ۱۰۶۔

50: منٹگمری واٹ، ''محمد ایٹ مکہ''،ص ۳، ایڈمبرا یونیورسٹی پریس ۱۹۸۸ء۔

یونٹ نمبر...... 2

قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

فہرست

یونٹ کا تعارف

مسلم علماءِ تفسیر کے علاوہ مستشرقین نے بھی قرآن کریم کی مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا مسلمان علماء کا مقصد صرف اور صرف رضا الٰہی اور ترویج قرآن کریم تھا لیکن مستشرقین نے کچھ اور قسم کے اہداف سامنے رکھ کر قرآن کریم پر کام کیا۔

چونکہ مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور نصرانیت سے تعلق رکھتی ہے، وہ وجود خداوندی کے بھی قائل ہیں اور فلاح انسانی کے لیے آسمانی راہنمائی کی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اگر وہ قرآن کریم کو خدا کا کلام مان لیں تو ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کی بھی کوئی گنجائش بھی نہیں رہتی اور یہودیت اور نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پٹہ اپنے گلے میں لٹکانا پڑے گا۔

اس یونٹ میں قرآن کریم پر مستشرقین کے مختلف اعتراضاف کا ہم علمی وتنقیدی جائزہ ذکر کرتے ہیں مثلاً قرآن کریم کی کتاب اللہ ہونے پر اعتراض یہ اعتراض کہ قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں، حفاظت قرآن کریم پر اعتراضاف اور ان کا جواب، کتابت قرآن کریم پر اعتراضات یہ اعتراض کہ قرآن کریم کی تعلیمات میں جدت نہیں مستشرقین نے یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے اس طرح قرآن کریم کی عربیت پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

ان شاء اللہ ہم اس یونٹ میں مستشرقین کی طرف سے قرآن کریم پر کیے جانے والے ان اعتراضاف کا علمی اور تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

۲ مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دے سکیں کہ قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں

۳ حفاظت قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۴ کتابت قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۵ مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دے سکیں کہ قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے۔

۶ مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دے سکیں کہ قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔

۷ اس اعتراض کا جواب دے سکیں کہ شرک کی نفی اور توحید کی اثبات اسلام کی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔

۸ تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۹ قرآن کریم کی عربیت پر اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

قرآن مجید پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کا جو سلسلہ شروع فرمایا اس کی تکمیل قرآن مجید کے ذریعے فرمائی۔ نزول قرآن کریم سے لے کر آج تک یہ کتاب مسلم اور غیر مسلم دونوں کے زیر مطالعہ رہی۔ مسلمان علمائے تفسیر نے قرآن کریم کی ترویج کے لئے کام کیا۔ مسلمان علماء نے اس کتاب کی حقیقت اور اس کے احکام کو واضح کرنے کے لئے کافی کوششیں کیں۔ اس کتاب کی تمام قوموں میں مقبولیت اور اس کے ذریعہ ایک عالم میں تبدیلی کی وجہ سے غیر مسلم اقوام نے بھی اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا لیکن ان کے پیش نظر وہ مقاصد نہیں تھے جو مسلم مفسرین مدنظر رکھتے تھے۔ ان کے مطالعہ قرآن کے اہداف شاید کچھ اور تھے اور ان کے اس موضوع پر موجود لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقوام عالم کے سامنے قرآن کریم کا لٹریچر ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ وہ اس کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو جائیں۔

مستشرقین نے قرآن کریم پر جو اعتراضات کیے ہیں وہ کوئی نئے نہیں اس قسم کے اعتراضات اس وقت بھی کیے گئے تھے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، خود قرآن کریم نے ان اعتراضات کو جابجا نقل کیا ہے اور اس کے جوابات بھی دیے ہیں۔ قرآن کریم پر کیے جانے والے مختلف اعتراضات میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

1- قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراض

2- یہ کہ قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔

3- حفاظت قرآن کریم پر اعتراضات

4- کتابت قرآن کریم پر اعتراضات

5- یہ کہ قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے۔

6- قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔

7- تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض

8- آسمان وزمین کے سات طبق پر اعتراض

9- قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض

ان شاء اللہ ہم اس یونٹ میں مستشرقین کی طرف سے قرآن کریم پر کیے جانے والے ان اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ لیں گے۔

1- قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر اعتراض

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور نصرانیت سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ وجود خداوندی کے بھی قائل ہیں فلاح انسانی کے لیے آسمانی راہنمائی کی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ اگر وہ قرآن حکیم کو خدا کا کلام مان لیں تو دین اسلام کی مخالفت کا ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کی بھی کوئی گنجائش بھی نہیں رہتی اس صورت میں انہیں قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے ان کی جن جن کوتاہیوں کا پردہ چاک کیا ہے انہیں ان کا الزام بھی اپنے سر لینا پڑتا ہے۔ قرآن کریم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد انہیں یہودیت اور نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر غلامی مصطفیٰ کا پٹہ اپنے گلے میں لٹکانا پڑتا ہے۔

1.1 - قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش

جارج سیل ایک مشہور مستشرق ہے۔ اس کا ترجمہ قرآن مستشرقین کے لیے ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں قرآن حکیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ثابت کرنے کے لیے اپنے تخیل اور قلم کاری کی ساری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔

"کلام میں لفاظی حاضرین کے ذہنوں پر جو زبردست اثر ڈالتی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بے خبر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے ان نام نہاد الہامات میں اسلوب بیان کے اس وقار اور رفعت کو قائم رکھنے کے لیے اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کی ہیں۔ جو اس ذات کی شان کے شایان ہو جس کی طرف وہ ان کو منسوب کرتے ہیں اور اس اسلوب کو اختیار کیا ہے جو عہد نامہ قدیم کے پیغمبرانہ اسلوب سے ہم آہنگ ہو سکے۔ بلکہ انہوں نے فن بلاغت کے دیگر اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس میں وہ اس حد تک کامیاب ہوئے اور انہوں نے اپنے مخاطبین کے اذہان کو یوں گرویدہ کیا کہ ان کے کئی مخالفین نے اسے جادو اور سحر کا اثر قرار دیا۔" (1)

یہی جارج سیل اپنی اس کتاب میں ایک اور جگہ لکھتا ہے:

"That Muhammad was really the author and chief contriever of the Koran is beyond dispute, though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others, as his countrymen failed not to object to him. However they differed so much give hime such assistance , that they were not able, it seems to prove the charge, Muhammad it is to be presumed, having taken his measures too well to be discovered.

"اس حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو

دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے۔ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔"

1.2- منٹگمری واٹ کی رائے میں قرآن کریم انسانی ذہن کا اختراع ہے

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (Mantgomery Watt) قرآن حکیم کو انسانی ذہن کے اختراع ثابت کرتے ہیں اور کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے خلوص اور دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن خلوص اور دیانتداری کے باوجود ان کا یہ خیال غلط تھا۔

"مسلمانوں کی روایت کے مطابق قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود بھی یہی سمجھا ہوگا۔ مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور اس وحی میں تمیز کر سکتے ہیں جو خارج سے ان پر نازل ہوتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلص کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں ٹھیک راستے پر تھے۔ ممکن ہے ایک آدمی مخلص ہو لیکن اس کے باوجود غلطی پر ہو۔ انسان جن خیالات کو خارج سے آتا ہوا محسوس کرتا ہے ممکن ہے کہ خیالات دراصل اس کے اپنے شعور سے ابھرے ہوں۔" (2)

1.3 : آرتھر جیفری اور قرآن

آرتھر جیفری (Arturjeffery) قرآن کریم کا تعارف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"قرآن اسلامی صحیفہ ہے۔ اسے قرآن عظیم اور قرآن مجید وغیرہ ناموں سے تو پکارا جاتا ہے لیکن اسے Holy Quran یعنی قرآن پاک نہیں کہا جاتا۔ کچھ جدید دور کے مغرب کے تعلیم یافتہ

مسلمان Holy bible کے لقب کی نقل کر کے قرآن کو بھی Holy Quran یعنی قرآن پاک کہتے ہیں۔ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس سالہ دور نبوت کے بیانات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ یہ بات اظہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی کتاب کی تیاری میں مصروف تھے جو مسلمانوں کے لیے وہی حیثیت رکھے جو یہودیوں کے لیے عہد نامہ قدیم اور عیسائیوں کے لیے عہد نامہ جدید کی ہے لیکن اس کتاب کی تکمیل سے پہلے وہ فوت ہو گئے اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جو ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے جمع کیا اور اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔'' (3)

1.4- قرانی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں

اسلامی تعلیمات پر یہودی اور نصرانی تعلیمات کی چھاپ ظاہر کرنے کی کوشش میں منٹگمری واٹ رقمطراز ہے۔

''قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعث بعد الموت اور یوم حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظام توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے۔'' (4)

یہ بات بیان کرنے کے بعد مستشرق مذکور سوچتا ہے کہ مکہ کا ایک امی جس نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا تھا۔ اس نے کس طریقے سے بائبل کی تعلیمات حاصل کر کے ان کی بنیاد پر قرآن حکیم جیسا علوم و معارف کا بحر ذخار تیار کر لیا وہ خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کئی مفروضے مقرر کرتا ہے کہتا ہے:

''اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور ان کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ پتہ عیسائی عرب

آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا ان کے باوجود ممکن ہے وہ مکہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم قبائل آباد تھے۔ لہٰذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حضرت خدیجہ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جا سکتا ہے۔'' (5)

2 : ان اعتراضات کا جائزہ

مستشرقین کی ان تحریروں سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ قرآن کریم کلام خداوندی نہیں لیکن پھر یہ کیا ہے اس کا مصدر کیا ہے اس سوال کے جوابات کے لیے انہوں نے ظن وتخمین کے جو گھوڑے دوڑائے ہیں ان کو دیکھ کر ان کی ذہنیت سامنے آتی ہے جس کی نشان دہی قرآن کریم نے کئی مقامات پر ''ان ہم الا یظنون'' (یہ لوگ محض ظن اور گمان سے کام لے رہے ہیں) اور ''ان ھم الّا یخرصون'' (نہیں یہ لوگ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین اپنی تحریروں میں جو دعویٰ کر رہے ہیں۔ اپنے اس دعوے کی تردید بھی خود کرتے ہیں۔ جارج سیل قرآن حکیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کے اختراع قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مہارت سے اس کتاب کو ادب کے اس بلند مقام پر رکھا ہے کہ قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے کے دعویٰ کا انکار کرنے والا ہی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کلام خدا کے شایان شان نہیں اور ساتھ ہی جارج سیل یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس کتاب کی قوت تاثیر اتنی زبردست ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے عرب جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کیا کرتے تھے۔ وہ اس کتاب کے اسلوب بیان کو سحر یا جادو کا اثر کہنے پر مجبور ہو گئے۔

جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ مکہ کے کفار نے بھی یہ شور مچایا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ معلومات کسی اور آدمی

سے لے رہے ہیں۔لیکن ساتھ جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اپنے اس اعتراض کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

منٹگمری واٹ قرآن حکیم کا منبع ومصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑتا ہے۔ جو کسی ایک مقام پر چند لمحے رکھتا ہے اور پھر کسی دوسری طرف چل نکلتا ہے وہ کبھی مکہ کی طبقاتی کشمکش کو قرآن کا منبع قرار دیتا ہے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخلیقی تخیل کو۔کبھی وہ قرآن کریم کے ڈانڈے ان اہل کتاب کے ساتھ ملاتا ہے جو اطراف واکناف سے مختلف مقاصد کے تحت مکہ آتے تھے اور کبھی وہ مکہ کے ذہنی ماحول کو قرآن کا مصدر قرار دیتا ہے۔قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار جن بنیادوں پر مکہ کے بت پرستوں نے کیا تھا۔ یورپ کے اہل کتاب اور مستشرقین کا رویہ اس سے مختلف نہیں۔جن لوگوں نے قرآن حکیم کو بشری الاصل قرار دینے کی کوشش کی اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض کیا۔ان کے اس اعتراض اور اس کے جواب کو خالق کائنات اور منزل قرآن نے کس عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ۔"وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ" (6) (اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن کریم ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں۔عجمی ہے اور قرآن کریم فصیح وبلیغ عربی میں ہے۔)

قرآن میں اتنی قوت ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے زبان دان اس کی عظمت کا اعتراف کر چکے ہیں۔قرآن حکیم قریش مکہ کو ان کے اعتراض کے کھوکھلے پن سے آگاہ کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا عقل کے ناخن لو کیا یہ ممکن ہے کہ جس عربی کلام کی عظمتوں کو تمہارا ولید بن مغیرہ اور عبید بن ربیعہ جیسے زبان دان دشمنی کے باوجود سلام کرتے ہیں۔ وہ کلام کسی عجمی کی تعلیم سے وجود میں آیا ہو۔قرآن حکیم نے کفار مکہ کو جو جواب دیا تھا وہ ہر دور کے منکرین کے سامنے بطور چیلنج پیش کیا جا سکتا ہے۔

مستشرقین کبھی بحیرہ راہب کو کبھی شام اور یمن سے مکہ سے تجارت کے لیے آنے والے عیسائیوں کو اور کبھی مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی کی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم قرار دیتے

ہیں۔قرآن حکیم نے جو بات کفار مکہ سے کہی تھی ہم وہی بات مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علوم جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔وہ بحیری راہب کو حاصل تھے؟ کیا مکہ یا مدینہ میں مقیم یا باہر سے آنے والا کوئی اہل کتاب ان علوم سے بہرہ ور تھا جو قرآن کریم کی برکت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئے ہیں؟ اگر بحیری راہب یا دوسرے کوئی عیسائی یا یہودی اتنا بڑا عالم تھا تو اسے خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے اور اس کی بنیاد پر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ کر اپنے نام کو زندہ و جاوید کر لیتا۔ (7)

2.1 - کیا قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں؟

اکثر مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں ان کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو بائبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے سکھائی تھیں؟ مستشرقین فرمائیں گے کہ وہ تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مستند انجیلوں اور ان غلط روایات سے حاصل کی تھیں جو اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں ہم گزارش کریں گے کہ ان غیر مستند انجیلوں کے مصنف کون تھے؟ انجیل برناباس کو تو عیسائی مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں ذرا یہ تو بتائیں کہ وہ انجیلیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفادہ کیا تھا۔ان کے مصنف کون تھے؟ مسلمان تو ان انجیلوں کے مصنف ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں۔

ہم مستشرقین سے یہ بھی استفسار کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے عرب یہودیوں اور عیسائیوں میں جو غلط مذہبی روایات مروج تھیں ان کو رواج دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام تو ذمہ دار ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ سب کچھ طلوع اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔

اس تمام بحث سے یہی واحد نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ انجیلیں جنہیں جارج سیل وغیرہ غیر مستند کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کے ایک طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کے عقائد تھے۔جارج سیل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر نصرانیت کے قصر رفیع کی

بنیادیں ہلادی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت کئی طبقوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ طویل عرصہ ان میں باہم چپقلش رہی۔ ہر طبقے کی اپنی انجیلیں تھیں جو دوسری انجیلوں سے مختلف تھیں۔آخر کار سینٹ پال کا طبقہ غالب آ گیا۔ان کے عقائد کو رواج حاصل ہوا اور ان کے مقابلے میں دوسرے فرقے دب گئے۔ جو انجیلیں سینٹ پال کے عقائد کے مطابق تھیں ان کو مستند قرار دے دیا گیا اور جو انجیلیں اس کے عقائد سے متصادم تھیں انہیں غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کے احکامات صادر کر دیے گئے اور جو انجیلیں ضائع اور تلف کی گئی ہیں وہ بھی کبھی ساری دنیائے عیسائیت کی نظروں میں متفقہ طور پر غیر مستند نہ تھی بلکہ وہ انجیلیں تورات کی تعلیمات کے مطابق تھیں اور جن لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قریبی تعلق تھا ان کے عقائد انہیں انجیلوں کے مطابق تھے۔

2.2 - قرآن کریم کا دعویٰ

قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انبیائے سابقین پر نازل ہونیوالے صحائف اور کتب کی مخالفت اور تردید کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ ان کی تصدیق کرنے والا محافظ بن کر نازل ہوا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" (8)

"اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن سچائی کے ساتھ۔تصدیق کرنیوالی ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتاب ہے اور یہ قرآن محافظ ہے اس پر۔"

اگر یہودی اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف نہ کردی ہوتی تو آج قرآن ،تورات اور انجیل میں تضاد نظر نہ آتا بلکہ یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں۔کلیسا کی مسترد کردہ انجیلوں میں سے ایک انجیل، انجیل برنباس آج بھی دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہے۔اس کتاب میں بار بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نشانات کا تذکرہ ہوا ہے۔اس انجیل کی تعلیمات مروج عیسائیت کی تعلیمات سے بالکل متصادم اور مختلف ہے اور قرآن کریم کی تعلیمات کے قریب تر ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیائے عیسائیت اس کتاب کو یہ کہہ کر مسترد کردیتی ہے کہ اس کتاب کو کسی مسلمان نے تصنیف کیا ہے۔جن ہزاروں انجیلوں کو کلیسا نے تلف کرنے کا حکم دیا تھا۔ان میں

یقیناً ایسی تعلیمات ہوں گی جو مروج عیسائیت کی تعلیمات سے متصادم تھیں۔ اسی وجہ سے ان کو غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کا حکم دیا گیا۔

3 - حفاظت قرآن کریم پر اعتراضات اور ان کا جواب

قرآن کریم قیامت تک اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف و ترمیم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (ہم نے ہی قرآن کریم نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔) اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم ہمارے پاس اسی شکل میں محفوظ ہے جس شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی تھی اور اس میں آج تک کسی ایک نقطے یا شوشے کا بھی فرق نہیں ہو سکا۔ یہ بات صرف مسلمانوں ہی کا عقیدہ نہیں بلکہ منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کی۔ لیکن جب نگاہوں پر بغض اور تعصب کا پردہ پڑ جائے تو ایک شفاف چشمہ بھی گدلا نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ بعض غیر مسلم مصنفین نے قرآن کریم کی حفاظت کے معاملہ میں بھی کچھ شبہات ظاہر کی ہیں جن کی حقیقت اہم اختصار کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔

3.1 - نزول قرآن کے ابتدائی زمانہ کی کچھ آیات محفوظ نہیں رہیں

مشہور مستشرق الیف بہل (Bhul) نے دعویٰ کیا ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتداء میں قرآن کریم کی آیات لکھی نہیں جاتی تھی بلکہ ان کی حفاظت کا سارا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حافظہ پر تھا۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہی ہے کہ ابتدائی زمانہ کی قرآنی آیات محفوظ نہ رہی ہوں۔ اس دعوے کی دلیل میں بہل نے قرآن کریم کی دو آیتیں پیش کی ہیں۔ (9)

ا: "سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰىٓ ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ" (10)

اور ہم آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ بھولیں گے نہیں مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔

۲۔ "مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ" (11)

ہم جس آیت کو منسوخ کریں گے یا بھلا دیں گے ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

یہ ایک لغو قسم کا اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم کی منسوخ آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم کی کچھ آیات لے کر نازل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھول جانے کے خوف سے بار بار دہراتے رہتے تھے اور اس میں آپ کو شدید تعب ہوتا تھا اور اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کی مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو بھول نہیں سکیں گے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ قرآن کریم کی بعض آیات تو بعد میں منسوخ ہونے کے سبب حافظے سے محو ہو گئیں۔ اس کا جواب دینے کے لیے "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" (مگر جو اللہ چاہیے) کے الفاظ بڑھا دیئے گئے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی آیت کو منسوخ کرے گا تو صرف اسی وقت وہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ سے محو ہو سکے گی۔ اس کے بغیر نہیں اس طرح دوسری آیت میں بھی زیادہ سے زیادہ اتنا بیان کیا گیا ہے کہ بعض آیات منسوخ ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہؓ کے حافظوں سے محو ہو جائیں گی۔

لہٰذا ان دونوں آیتوں سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض آیات کو جب اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا تو ان کی کتابت کو مٹانے کا حکم تو دیا ہی گیا مگر ساتھ ساتھ انہیں لوگوں کے حافظے سے بھی محو کر دیا گیا ورنہ جہاں تک غیر منسوخ آیتوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں تو صراحۃً کہا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کبھی بھی نہیں بھول سکیں گے۔ اس سے یہ بات آخر کیسے نکل آئی کہ جو آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ ان کے فراموش ہو جانے کا بھی امکان ہے۔

وہاں ان آیتوں سے اس بات پر استدلال کہ اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن کریم لکھا نہیں جاتا تھا۔تو یہ ایک قطعی بے بنیاد اور لغو استدلال ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے قرآن کریم کا صحابہؓ کے پاس لکھا ہوا ہونا مستند روایات سے ثابت ہے لہٰذا پہلی آیت میں صرف ''نسیان'' (بھول جانے) کے ذکر پر اکتفا کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اس وقت قرآن کریم مکتوب شکل میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر ہی صرف ''نسیان'' کا چل رہا ہے۔ اس لیے اس مقام پر لکھی ہوئی آیتوں کو مٹانے کا ذکر کیا جاتا تو قطعی بے موقع اور بے محل بات ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری آیت میں چونکہ ''نسخ'' ہی موضوع گفتگو ہے اس لیے اس میں ''نسخ'' کے لغوی معنی زائل کرنے اور مٹانے کے آتے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود تھا اور اس نے بعض آیتوں کو منسوخ ہونے کی بناء پر مٹایا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ آیت جو صراحۃً قرآن کریم کے مکتوب ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ اس کو بُہل (Buhle) قرآن کے غیر مکتوب ہونے کی تائید میں پیش کر رہا ہے۔ (12)

3.2 - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی قرآنی آیت کو بھول جاتے

مستشرق ڈی ایس مارگولیوتھ نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث کی بناء قرآن کریم کی حفاظت مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔(13) ام المومنینؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مسجد میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِیْ آيَةً كُنْتُ اُنْسِيْتُهَا (14) ''اللہ ان پر رحم کرے، انہوں نے مجھے ایک ایسی آیت یاد دلا دی جو مجھ سے بھول گئی تھی''۔

3.3 - مارگولیوتھ کے اعتراض کا تنقیدی جائزہ

اس روایت کو ذکر کرنے سے مارگولیوتھ کا مقصد یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت کسی وقت بھول سکتے ہیں تو (معاذ اللہ) دوسری آیات میں بھی یہ امکان ہے اور یہ بھی ثابت کر رہا ہے کہ قرآن کریم لکھا ہوا نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت نہ بھولتے۔ لیکن یہ اعتراض اتنا کمزور ہے کہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی

اسے درست تسلیم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ مذکورہ بالا واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بسا اوقات یہ بات انسان کو یاد تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرصہ دراز تک اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ نہ اس کی طرف خیال جاتا ہے اس لیے وہ ذہن میں مستحضر نہیں رہتی اور جب کوئی شخص اس کا ذکر چھیڑتا ہے تو وہ فوراً حافظے میں تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت میں بھول نہیں ہوتی۔ بلکہ عارضی طور پر خیال سے نکل جانا ہوتا ہے۔ یہی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئی۔ اس لیے ایسے واقعے کو بنیاد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کرنا انتہا درجے کی بے انصافی ہے۔ جس کا منشاء تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ مسٹر مارگولیوتھ اگر بصیرت اور انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اس واقعے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اس غیر معمولی طریقے سے فرمائی ہے کہ اس کے کسی حصے کے گم ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اور یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت اتنے بیشمار افراد کو یاد کرا دی گئی تھی کہ اگر کوئی آیت کسی وقت اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضی طور پر مستحضر نہ رہی تب بھی اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

رہی یہ بات کہ اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود نہیں تھا۔ یہ بات پہلی بات سے زیادہ بے بنیاد ہے ہم عرض کر چکے ہیں کہ واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضی طور پر مستحضر نہیں رہی تھی۔ جو ایک صحابی کی تلاوت سے فوراً ذہن میں تازہ ہو گئی۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم مکتوب شکل میں موجود نہیں تھا۔ کیا مستشرق موصوف یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ایک مرتبہ لکھ لی گئی وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ذہن سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ پھر دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کو یاد رکھنے کا کتابت سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ لہٰذا مذکورہ واقعے سے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر استدلال وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے اوپر انصاف اور بصیرت کے سارے دروازے بند کر لیے ہوں۔

4 - کتابت قرآن کریم پر اعتراض

پروفیسر مارگولیوتھ نے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر ایک عجیب وغریب استدلال یہ کیا ہے کہ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ '' (15)

''اور اللہ تعالیٰ تم پر قرآن کریم میں یہ اتار چکا ہے کہ جب تم (کسی مجلس میں) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزاء ہوتا ہوا سنو تو تم انکے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔''

یہ آیت مدنی ہے اور اس میں سورہ انعام کی جس مکی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے'' وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ط'' (16) (اور جب تم ان لوگوں کو دیکھ جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔)

پہلی آیت میں دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مارگولیوتھ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی نہیں تھیں۔ ورنہ اگر قرآن کریم لکھا ہوا ہوتا تو پہلی آیت میں بعینہ وہی الفاظ ذکر کیے جاتے جو دوسری آیت میں مذکور ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے نزول کے وقت دوسری آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے تھے۔ (17)

4.1 : اس اعتراض کا جائزہ

مارگولیوتھ کا یہ استدلال اس قدر سطحی اور لغو ہے کہ اس کا جواب دیتے ہوئے انسان شرم سی محسوس کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سورہ نساء کے نزول کے وقت سورہ انعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے

تھے تو پھر بعد میں وہ کیسے قرآن کریم میں لکھے گئے؟ اگر سورہ انعام کے الفاظ محفوظ نہ ہوئے تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں لکھنے والے سورہ انعام میں بھی بعینہ وہ الفاظ لکھتے جو سورہ نساء میں مذکور ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیتوں کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل تھے اور ان میں کسی کے قیاس وگمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔ کیونکہ اگر قرآن کریم کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوئی ہوتی تو ان دو آیتوں کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر زبان کے محاورات میں جب کسی سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ سابقہ گفتگو کے بعینہ الفاظ دہرا دیئے جاتے ہیں (جسے انگریزی میں Direct Narration اور بعض اوقات الفاظ بعینہ وہی نہیں ہوتے بلکہ سابقہ گفتگو کے بنیادی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے جسے انگریزی میں Indirect Narration کہا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جس سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جا رہا ہو اس کے پورے پورے الفاظ دہرائے جائیں۔ اس کے بجائے ادبی محاورات میں زیادہ تر دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے۔ یعنی اس گفتگو کے مفہوم کو دوسرے الفاظ میں ادا کر دیا جاتا ہے۔ سورہ نساء میں بھی یہی دوسری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کی ہر صورت بسا اوقات اپنے جملوں کی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر ایک سورت کے جملوں کے درمیان کسی دوسری سورت کا جملہ بعینہ جوڑ دیا جائے تو آیتوں کے تسلسل Sequence میں فرق پڑ جاتا ہے اور جملوں کی وہ روانی Flow برقرار نہیں رہتی جس کی اثر انگیزی سب کے نزدیک مسلم ہے۔ چنانچہ جس شخص کو بھی ادبی ذوق کا کچھ حصہ ملا ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر سورۃ نساء کی مذکورہ آیت میں سورۃ انعام کے بعینہ الفاظ نقل کر دیئے جائیں تو عبارت کا زور اور تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ (18)

اس کے علاوہ سورہ انعام جس کی مذکورہ آیت کے بارے میں مارگولیوتھ کا دعویٰ ہے کہ وہ لکھی ہوئی نہیں تھی پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوئی ہے (19) اور اس میں یہ آیت بھی موجود ہے: "وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ" (20) (اور یہ (قرآن) بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جو بڑی

برکت والی ہے اور اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے) اس میں قرآن کے لیے لفظ ''کتاب'' استعمال کیا گیا ہے اگر سورہ انعام کے نزول کے وقت قرآن کریم کو لکھنے کا معمول نہیں تھا تو اسے ''کتاب'' کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟۔

4.2 - حفاظت قرآن کے سلسلے میں امام بخاریؒ پر مارگولیوتھ کا بہتان

مارگولیوتھ نے قرآن کریم کی حفاظت پر ایک اور اعتراض ان الفاظ میں کیا ہے''بخاری کا کہنا ہے کہ ایک جملہ'' اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا مَا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ'' (مگر یہ کہ تم اس رشتہ داری کا پاس کرو جو میرے اور تمہارے درمیان موجود ہے) بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔لیکن شراح کا کہنا ہے کہ یہ جملہ قرآن کریم میں نہیں ملتا اس لیے وہ اس جملے کو سورہ ۴۲ آیت ۲۲ یعنی اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کی تشریح قرار دیتے ہیں۔ (21)

یہ ایک شرمناک بہتان ہے امام بخاریؒ پر جو کہ تعصب اور بد دیانتی پر مبنی ہے، اس عبارت سے مارگولیوتھ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام بخاریؒ ایک ایسے جملے کو قرآن کریم کا جزو مانتے تھے، جو اس وقت قرآن میں موجود نہیں ہے، حالانکہ ہر شخص صحیح بخاریؒ اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے آیت کے الفاظ بعینہٖ وہی نقل کیے ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں اور اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا (الخ) والا جملہ اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے، امام بخاری کی پوری عبارت یہ ہے:

''باب قوله اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ حَدَّثَنا محمد بن بشّار...... عَنْ ابن عباس انه سُئل عن قوله اِلَّا الْمَوَدَّة فِی الْقُرْبىٰ فقال سعيد بن جبيرؓ قربی آل محمد ﷺ فقال ابن عباسؓ عجلت، انَّ النَّبی ﷺ لَمْ يكن بطنٌ مِنْ قريش اِلَّا كان لَه فيهم قرابة فقال اِلَّا ان تصلوا ما بَيْنِيْ و بينكُم مِن الْقَرابةِ'' (22)

ملاحظہ ہو! یہاں امام بخاری نے باب کے عنوان میں آیت کا وہی جملہ نقل کیا ہے، جو قرآن کریم میں موجود

ہے۔ پھر اس کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ سے آیت "اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی" کی تفسیر پوچھی گئی تھی جس کے جواب میں آپؓ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا "اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا مَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ مَنَ الْقَرَابَةِ" لیکن مارگولیوتھ صاحب پوری ڈھٹائی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس جملے کو بذریعہ وحی نازل شدہ مانتے ہیں اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحقیق اور انصاف کہ یہ دعویدار قرآن کریم کے خلاف تعصب کے کسی دائمی روگ میں مبتلا ہیں۔

4.3- قرآن مجید کی کچھ آیتیں گم ہوگئی تھیں

مارگولیوتھ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ مسند احمد کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کچھ آیتیں گم ہوگئی تھیں۔ (23)

یہاں مارگولیوتھ نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

''عن عائشة زوج النبیﷺ قالت لقد انزلت آیة الرّجم ورضعات الکبیر عشراً فکانت فی ورقة تحت سریر فی بیتی فلمّا اشتکی رسول اللهﷺ تشاغلنا بأمره ودخلت دویبة لنا فاکلتها'' (24)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رجم کی آیت اور بڑے آدمی کے دس رضعات کی آیت نازل ہوئی تھیں۔ یہ آیتیں میرے گھر میں ایک تخت کے نیچے کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مرض وفات کی) تکلیف شروع ہوئی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ ہمارا ایک پالتو جانور تھا وہ آیا اور اس نے وہ کاغذ کھالیا۔''

4.4 - اس اعتراض کا جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے جن آیتوں کا ذکر فرمایا ہے یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔ خود عائشہؓ بھی ان آیتوں کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں۔ لہٰذا اگر انہوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ورنہ اگر یہ

آیات حضرت عائشہؓ کے نزدیک قرآن کریم کا جزو ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں۔ وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں۔ لیکن انہوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی۔ اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگاری حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض بے جا اور لغو ہے اور اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

5 - یہ اعتراض کہ قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے

مستشرقین نے قرآن کریم کے متعلق یہ تاثر عام کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی چیز نئی نہیں جارج سیل کہتا ہے مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابتداء میں متعارف کرائی ہو۔ بلکہ قرآن حکیم میں جو کچھ ہے اس کو قدیم مصادر میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ (25)

مستشرقین میں یہ جملہ عام طور پر مشہور ہے "قرآن میں جو کچھ جدید ہے وہ صحیح نہیں اور جو صحیح ہے وہ جدید نہیں" اصل میں مستشرقین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی جو تعلیمات یہود و نصاریٰ سے اخذ کی ہیں وہ تو ٹھیک ہیں لیکن جو باتیں آپ نے اپنی طرف سے پیش کی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

اس سلسلہ میں علماء نے مستشرقین سے استفسار کیا ہے کہ ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے کہ سچ وہی ہوتا ہے جو نیا ہو یا وہی سچا ہوتا ہے جو اپنے سے پہلے انسانی معاشرے میں موجود تمام عقائد، احکام، روایات اور معمولات کو یکسر ملیامیٹ کر دے اور پھر ان کے کھنڈروں پر عمارت تعمیر کرے [illegible]

اسلام نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے جو حقائق پیش کئے ہیں وہ اس سے پہلے کسی نبی یا رسول نے پیش نہیں کیے؟ اسلام کا تو یہ دعویٰ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک ہی پیغام کے علمبردار بن کر تشریف لاتے رہے۔ قرآن تو بار بار اعلان فرماتا ہے کہ وہ پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق اور مہیمن ہے۔ ہم مستشرقین سے سوال کرتے ہیں کہ اگر اناجیل کی کوئی بات تورات کے مطابق نظر آئے

تو کیا وہ اس بناء پر انجیل کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر دیں گے اور اسے تورات سے نقل شدہ کتاب قرار دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل میں اگر ایسی باتیں موجود ہوں جو سابقہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں تو اس سے انجیل کے کلام خداوندی ہونے پر کوئی حرف نہ آئے اور اگر قرآن حکیم کی کوئی بات سابق صحف سماوی میں بھی نظر آ جائے تو اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اس کو سابقہ کتابوں کی نقل قرار دیا جائے؟ عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کے لیے جو اصول وضع کرتے ہیں ان اصولوں سے وہ ان کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ (26) یہ دوغلی پالیسی نہ علم ہے اور نہ تحقیق۔

6 - قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے

مغرب نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو ہر میدان میں دل کھول کر استعمال کیا۔ اگر کتاب کائنات کے صفحے صفحے پر قدرت خداوندی کے ایسے نشانات ثبت ہونے کے باوجود جنہیں ہر عالم اور جاہل، ذہین اور غبی دیکھ رہا ہے۔ سائنسدان نظریہ ارتقاء کے ذریعے خدا کے وجود کا انکار کر سکتے ہیں تو مستشرقین اس نظریئے کے ذریعے قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیوں نہیں کر سکتے۔

6.1 - نظریہ ارتقاء کو قرآن کریم کے خلاف کس طرح استعمال کیا گیا؟

مستشرقین نے نظریہ ارتقاء کو اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے ظن وتخمین کے زور سے قرآن کریم کی ترتیب نزولی گھڑی۔ مسلمان علماء قرآن حکیم کی نزولی تاریخ دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مکی دور اور مدنی دور۔ جبکہ مستشرقین مکی دور کو پھر تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس خود ساختہ تقسیم کی رو سے وہ اس قسم کے مفروضے گھڑتے ہیں کہ آج اسلامی عقائد وعبادات کا جو مجموعہ ہمارے سامنے ہے یہ مرور زمانہ کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا اپنی موجودہ شکل میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ورنہ قرآن کریم کی ابتداء میں نازل ہونے والی سورتوں میں بت پرستی کی مخالفت نہیں کی گئی۔ ان کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم میں لفظ اللہ کم

استعمال کیا۔ اس کی جگہ کبھی ضمیر استعمال کی۔ کبھی ''ربک'' کا لفظ استعمال کیا اور کبھی ''الرحمن'' کا لفظ استعمال کیا۔ اسکی وجہ یہ ہے تھی کہ ''اللہ'' کا لفظ کفار مکہ کے ہاں بھی استعمال ہوتا تھا اور آپ اپنے دین کے حوالے سے اس کو زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی نظریے کے مطابق وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکی قرآن حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل نہیں ہوئے کیونکہ مکی قرآن میں ان کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔ وہ تو صرف مدنی قرآن لے کر نازل ہوئے کیونکہ مدنی سورتوں میں ان کا نام مذکور ہے۔ یہاں پر چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جن میں مستشرقین نے قرآن کریم کی نزولی تاریخ کو اسلام کے خلاف استعمال کیا اور کس طرح وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآنی پیغام میں وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ردو بدل ہوتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے اس مشکل سے نکلنے کے لیے پہلے نازل ہونے والی آیات کے برعکس ایک نئی آیت پیش کر دی۔

6.2 - جارج سیل کا اعتراض

جارج سیل کہتا ہے:

''اس کے علاوہ قرآن کی کئی آیات عارضی ہیں اور کسی مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الجھاؤ یا پریشانی میں مبتلا کر دیتا اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ نئی وحی کا سہارا لیتے جو اس قسم کی صورت حال سے نکلنے کا قابل اعتماد اور معصوم ذریعہ تھا اور انہوں نے دیکھا کہ اس طریقہ کار کی کامیابی ان کی توقعات کے مطابق ہے۔ یقیناً یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قابل تعریف اور سیاسی اختراع تھا کہ آپ سارے قرآن کو بیک وقت صرف پہلے آسمان تک لائے لیکن زمین پر نہیں لائے جیسے کہ کوئی ناتجربہ کار پیغمبر ضرور کرتا۔ کیونکہ اگر سارا قرآن بیک وقت نازل ہوتا تو بہت سارے اعتراضات پیدا ہوتے جن کا جواب محمد (صلی علیہ اللہ علیہ وسلم) کے لیے ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا۔ لیکن انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان پر قرآن مختصر حصوں

میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت کے مناسب سمجھتا ہے۔ اس طرح ان کے لیے تمام ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مشکلات سے نکلنے کا بہترین ذریعہ موجود تھا۔'' (27)

مستشرق مذکور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ قرآن کے بیک وقت نازل نہ ہونے کا مقصد یہ تھا کہ اس صورت میں قرآن کو ہنگامی حالات سے نکلنے کے لیے استعمال نہ کیا جا سکتا تھا۔

حیرت کی بات ہے کہ جارج سیل اور اس کے ہم نوا ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کا علم یہود اور نصاریٰ سے حاصل کیا تھا اور یہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب صورت حال تقاضا کرتی تو آپ خود قرآن کی آیات بنا لیتے اور کہتے کہ یہ آسمان سے وحی آتی ہے۔ جارج سیل صاحب ذرا بتائیں کہ جب اس قسم کی صورت حال پیش آتی تھی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حل پوچھنے کے لیے کسی ایسے آدمی کے پاس تشریف لے جاتے تھے جو سابقہ الہامی کتب کا عالم ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو سب لوگوں کو اس کا علم ہوتا اور آپ پیش آمدہ مشکل سے نکلنے کے بجائے زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مشکلات کے جواب یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے لوگوں سے پوچھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے کہ جب بھی ایسی صورت حال پیش آئے۔ مختلف مصادر سے حاصل کیا ہوا وہ جواب لوگوں کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مصادر سے حاصل ہونے والی ان معلومات کو کسی کتاب کی شکل میں اپنے پاس جمع کر رکھا تھا اور حسب ضرورت وہاں سے آیت نکال کر لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ لیکن مستشرقین تو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور سے پہلے قرآن کتابی شکل میں موجود ہی نہیں تھا۔ اس لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتاب کی شکل میں قرآن حکیم کی موجودگی کا تصور کیسے کر سکتے ہیں اور قاری یہ بھی سمجھ لیں کہ جارج سیل نے ان آیات کی نشاندہی نہیں کی جن کو وہ عارضی اور وقتی ضرورتوں کا جواب قرار دیتے ہیں۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ مستشرقین کے یہ سارے وسوسے جھوٹے ہیں اور قرآن کریم کا یہ ارشاد سچا ہے۔

"بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ'' (28)

''بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو جسے وہ پوری طرح نہ جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام۔ اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ پھر دیکھ کیسا انجام ہوا ظالموں کا''۔

منٹگمری واٹ نے اپنے مخصوص انداز میں دوست بن کر اسلام پر حملہ کیا ہے۔ وہ آغاز وحی پر بحث کرتے ہوئے ان احادیث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز وحی کے وقت سچے خواب دکھائی دیتے تھے۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبریل امین کو دیکھنے کا ذکر کیا۔ پھر اس نے سورہ نجم اور سورہ تکویر کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا جن میں رویت کا ذکر ہے۔ پھر یہ مستشرق ان تمام آیات اور احادیث کے مفہوم کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اس کی دلیل یہ دیتا ہے کہ ''فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى'' (29) میں عبد کا ذکر ہے اور یہ عبد جبرائیل کا نہیں بلکہ خدا کا ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا جبرائیل کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے، اکثر مفسرین بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں۔

بظاہر یہ مستشرق مسلمانوں کا بڑا ہمدرد نظر آ رہا ہے اور یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت باری ثابت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ ثابت یہ کر رہا ہے کہ نزول وحی کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث طیبہ میں جہاں جبرائیل کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے وہاں درحقیقت آپ نے جبرائیل کو نہیں بلکہ خدا کو دیکھا تھا۔ ساتھ ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بے بنیاد الزام بھی لگاتا ہے کہ آپ ابتدا میں یہی سمجھتے رہے کہ آپ خدا کو دیکھتے ہیں لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہودی رؤیت باری تعالیٰ کو ناممکن سمجھتے ہیں اور خود قرآن بھی کہتا ہے'' لاتدرکه الابصار ''(نہیں ٹھہر سکتیں اسے نظریں) تو آپ نے اپنا موقف بدل لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے خدا کو نہیں جبریل کو دیکھا تھا۔ منٹگمری واٹ کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"Muhammad at least for a time believed he had seen the supreme deity and presumably still believed this when sura 53

was revealed. Later. especially when he learnt that jews and christians held that God cannot be seen. He came to think that the vision had been not of God but of an angel in 6-113 it is asserted that sight reaches him (God) not."(30)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کم از کم کچھ عرصہ یہ یقین رہا کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا اور شاہدان کا یہ اعتقاد اس وقت تک قائم تھا جب سورہ نمبر ۵۳ (نجم) نازل ہوئی۔ بعد میں خصوصاً جب اُن کو معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خدا کو نہیں بلکہ جبرائیل کو دیکھا تھا۔ سورہ نمبر ۶ کی آیت ۱۱۳ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نظریں اسے گھیر نہیں سکتیں"۔

مستشرق مذکور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مکی دور میں وحی حضرت جبریل امین کے ذریعے نہیں آتی تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کرتے تھے۔ مستشرق مذکور یہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ مفروضہ ثابت ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ سارا قرآن کریم جبرائیل امین کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اترا تھا۔ اس دعویٰ کے بطلان کے ساتھ رویت خداوندی کو محال ثابت کر کے وحی کے سارے سلسلے کو ہی ناقابل اعتبار ثابت کیا جا سکتا ہے۔ (31)

جن احادیث طیبہ میں وحی لانے والے فرشتے جبرائیل کو دیکھنے کا ذکر ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ نے فرشتے کو دیکھا ہے خدا کو دیکھنا کسی روایت میں موجود نہیں اور یہ منٹگمری نے محض اپنے تخیل کے زور پر ایک مفروضہ گھڑا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

جہاں سورہ نجم کی آیات میں رویت کا تعلق ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا جبرائیل کو یہ اختلاف بعد کے مفسرین میں پیدا نہیں ہوا بلکہ صحابہ کرام کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم نازل ہونے کے بعد تک یہ فرماتے رہے ہوتے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ جیسے کہ منٹگمری واٹ کہہ رہا ہے اور طویل عرصہ بعد یہ اعلان کرتے کہ نہیں میں نے جبریل کو دیکھا تھا تو اس کے ردعمل کے طور پر مسلمانوں کا آپس میں اجتہادی اختلاف ظاہر نہ ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں ایمان کا جو

پودا لہلہا رہا تھا وہ جڑوں سے اکھڑ جاتا اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہی کچھ سوچنے لگتے جو منٹگمری واٹ سوچ رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ''واٹ'' صاحب نے سارے قرآن کریم کو امعان نظر سے دیکھا اور اس حقیقت کو دریافت کیا کہ جبریل کا لفظ ان سورتوں میں نہیں جو مکہ میں نازل ہیں۔لیکن کیا اس نے یہ آیت کریمہ نہیں دیکھی۔

''اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ'' (32)

''یہ قرآن ایک معزز قاصد کا لایا ہوا قول ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔(سب فرشتوں کا) سردار وہاں کا امین'' اور کیا یہ آیت کریمہ مسٹر منٹگمری واٹ صاحب کی نظر سے نہیں گزری ''قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ''(33) (فرمایئے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ) یا کیا مسٹر منٹگمری واٹ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ'' (34)

(اتارا ہے اسے روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے)

سورۃ تکویر، سورۃ النحل اور سورۃ الشعراء تینوں مکی سورتیں ہیں۔ان سورتوں میں وحی لانے والے کو الرسول الکریم روح القدس اور روح الامین کہا گیا ہے اور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام حضرت جبریل امین کے القاب ہیں۔

6.3 - شرک کی نفی اور توحید کی اثبات اسلام کی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے

شرک کی نفی اور توحید کا پرچار اسلام کا پہلا شعار ہے قرآن کریم شرک کی نفی اور توحید کے اعلانات سے بھرا پڑا ہے۔لیکن مستشرقین نے قرآن کریم کی ترتیب نزولی خود گھڑ رکھی ہے۔اس کے پیش نظر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

قرآن کریم کی ابتدا میں نازل ہونے والی آیات میں نہ تو خدا کے واحد ہونے کا تصور موجود ہے اور نہ ہی ان میں بت پرستی کی کہیں مخالفت کی گئی ہے۔ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی تو ایسے تصورات ہیں جو اسلام نے اس وقت اپنائے جب وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر کمال تک پہنچ چکا تھا۔

مسٹر واٹ اسلام کے آغاز کے متعلق اپنے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''ہمارا اسلام کے بارے میں پہلے سے قائم کردہ تصور یہ ہے کہ خدا کی قدرت اور رحمت و رافت کے تصور کو نزول قرآن کی ابتدا ہی سے اہم حیثیت حاصل رہی ہے لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ تصور اسلام کے اس متاخر اور ترقی یافتہ اصول سے تشکیل پذیر ہوا ہے کہ اللہ ایک ہے اور بت کچھ بھی نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ابتدائی پیغام بت پرستی کے خلاف نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلام کے مخاطب وہ لوگ تھے جس کے ہاں خدا کا مبہم سا تصور پہلے سے موجود تھا۔'' (35)

منٹگمری واٹ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی کتاب ''محمد ایٹ مکہ'' میں لکھتے ہیں:

''مزید برآں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن کی پہلے نازل ہونے والی آیات میں اس بات پر بالکل زور نہیں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عقیدہ بھی کسی حد تک وہی ہو جو ان ہم عصروں کا تھا اور اللہ تعالیٰ بڑا خدا ہے۔ جس کے سامنے دوسری چیزیں شفاعت کر سکتی ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قسم کی چیزوں کو چھوٹے خدا سمجھتے ہوں لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ ان چیزوں کو فرشتے سمجھتے ہوں۔ ایک بڑی عجیب چیز جس کا یہاں ذکر مناسب ہوگا وہ یہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی آیات میں اللہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دینی تجربے میں مرکزی حیثیت ان خوابوں کو حاصل تھی جن کا ذکر سورہ نمبر ۵۳ (سورۃ النجم) میں ہے جن کے مطابق انہوں نے جس ذات کو دیکھا تھا وہ ''رب'' کی ذات تھی ''اللہ'' کی ذات نہیں تھی۔ جس کا تصور

عام مکہ والوں کے ذہنوں میں تھا۔ مشرکین کا اللہ کو تسلیم کرنا موحدوں کے لیے مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ البتہ آہستہ آہستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یقین ہو گیا کہ "رب" جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ وہ وہی اللہ ہے جس پر عیسائی یہود اور دوسرے ایمان رکھتے ہیں اور جو خدائے یکتا ہے۔ (36)

منٹگمری واٹ "رب" اور "اللہ" کو دو علیحدہ علیحدہ ہستیاں قرار دینے کے دعوے کو فلسفیانہ انداز میں آگے بڑھاتا ہے اور کہتا ہے:

"یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس اصولی بات کے بیان کے اصل الفاظ میں لفظ "اللہ" کے استعمال سے گریز کا رجحان نظر آتا ہے "متاخر کلمہ شہادت" میں جو ترکیب استعمال ہوتی ہے (یعنی لا الہ الا اللّٰہ) وہ پورے قرآن میں صرف دو مرتبہ استعمال ہوئی ہے جبکہ اسکے برعکس "لا الہ الا ھو" کی ترکیب قرآن میں تیس مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ گو یہ بات مسلم ہے کہ یہ ترکیب جن مقامات پر استعمال ہوئی ان مقامات میں سے اکثر کی ابتدا میں "اللہ" کا لفظ بھی موجود ہے یعنی "اللہ لا الہ الا ھو" کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔" (37)

ایک اور حیران کن حقیقت جس کا "اللہ" کے لفظ کے استعمال سے گریز کے ساتھ گہرا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب "رحمٰن" کا لفظ "اللہ" کے لفظ کی جگہ لے رہا تھا۔ تسمیہ کے علاوہ "الرحمٰن" کا لفظ قرآن میں پچاس مرتبہ استعمال ہوا ہے جو "بلیشر" کی ترتیب کے مطابق مکی دور کے دوسرے حصے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیا یہ رجحان ان مشکلات کا نتیجہ ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے "اللہ" کا نام استعمال کرنے سے پیدا ہو رہی تھیں۔ (38)

6.4 - اس اعتراض کا جائزہ

منٹگمری واٹ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ خالق کائنات کا نام "اللہ" عربوں میں طلوع اسلام سے پہلے متعارف تھا لیکن ان کے ہاں توحید کا تصور نہ تھا۔ عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بیشمار خدا ہیں جن میں سے "اللہ"

سے بڑا ہے۔ اسلام چونکہ توحید کا دین تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین توحید میں خدائے واحد کے لیے وہ نام استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے جو نام مشرکانہ ماحول میں متعارف تھا۔ اس لیے آپ نے ’’اللہ‘‘ کی جگہ کبھی ’’ربک‘‘ ’’ربکم‘‘ کبھی ’’ربہ‘‘ اور کبھی ’’ربہم‘‘ وغیرہ استعمال کیے اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب ’’اللہ‘‘ کی جگہ ’’الرحمٰن‘‘ کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ ان ساری وسوسہ اندازی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی اختراع ہے اور وہ اس اختراع میں اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوئے۔

یہ مستشرقین کا کمال ہے کہ انہوں نے ایک ایسی کتاب جس کا مرکزی مضمون توحید اور نفی شرک ہے۔ اپنے تخیل کے زور سے توحید سے بے نیاز اور بت پرستی کے قریب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی ان بے شمار آیتوں کو نظر انداز کر دیا جو توحید کا اعلان اور بت پرستی اور شرک کا قلع قمع کر رہی ہیں انہیں ابتدائی قرآن میں نہ بتوں کی مخالفت نظر آتی ہے نہ انہیں وہاں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کا استعمال نظر آتا ہے۔ ’’رب‘‘ اور ’’رحمٰن‘‘ کے الفاظ کا استعمال انہیں کھٹکتا ہے اور انہیں ان الفاظ کے استعمال کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض مشکلات کے پیش نظر لفظ ’’اللہ‘‘ کا عام استعمال خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔

منٹگمری واٹ کو ’’رب‘‘ اور ’’الرحمٰن‘‘ کے الفاظ کا استعمال بھی مشتبہ نظر آ رہا ہے اور وہ ان الفاظ کے استعمال کو بھی لفظ ’’اللہ‘‘ کے استعمال سے بچنے کا وسیلہ قرار دے دیتے ہیں۔ اگر مسٹر واٹ صاحب نے اپنی تحقیق کی بنیاد قرآن حکیم کو ہی بنایا ہوتا تو یقیناً انہیں قرآن کریم میں یہ آیات کریمات ضرور نظر آ جاتیں۔ ’’ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى‘‘ (39) ’’اللہ (وہ ہے) کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر ان کے۔ اس کے لیے خوبصورت نام ہیں اور ’’وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ‘‘(40) (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے، سو پکارو اسے ان ناموں سے اور چھوڑ دو انہیں جو کج روی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ انہیں سزا دی جائیگی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔)

منٹگمری واٹ سے پہلے بھی ایک دشمن اسلام تھا جس کا نام تھا ابوجہل اس نے بھی ’’اللہ‘‘ اور ’’الرحمٰن‘‘ کو

علیحدہ علیحدہ ذاتیں قرار دیا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''یا اللہ'' اور ''یا الرحمٰن'' کا ورد کرنے پر اعتراض کیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' (41)

'' آپ فرمایئے! ''یا اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''یا الرحمٰن'' کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں۔'' منٹگمری واٹ صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے جو مکی ہے۔ ابوجہل نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ ہی میں ''یا اللہ'' اور ''یا الرحمٰن'' کا ورد کرتے سنا ہوگا کیونکہ اسے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ جب ایک مکی سورۃ میں اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہا ہے کہ اس کے اسمائے حسنیٰ میں ہے جس کے ساتھ بھی اسے پکارو وہی صحیح ہے تو مکی دور کی اس آیت کے بعد انہیں اللہ، الرحمٰن، رب وغیرہ اسمائے حسنیٰ میں یہ فرق کیوں نظر آتا ہے؟ اگر منٹگمری کا مدعا تحقیق حق ہوتا تو یقیناً قرآن کریم کی یہ وضاحت اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتی۔ لیکن واٹ اور دیگر مستشرقین کا مقصد کچھ اور ہے جواب پوشیدہ نہیں رہا۔

7۔ قرآن اور ''الکتاب'' کو دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دینا

منٹگمری واٹ قرآن اور ''الکتاب'' کو بھی دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دیتے ہیں اور رچرڈ بیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے ابتدائی سالوں میں اپنے الہامات کو قرآن کی شکل میں ترتیب دینے کے متعلق سوچا تھا لیکن مدینہ میں دو سال کے قیام کے بعد انہوں نے ایک کتاب مرتب کرنے کے متعلق سوچا جیسے وہ اپنی قوم کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے واٹ صاحب لکھتا ہے:

"One thing that is clear, however is that in his closing years at Medina Muhammad had moved far beyond thinking that his function was to be . only a warner and now regarded it as including the production of the book which was to be the scripture of his community." (42)

''البتہ ایک بات واضح ہے کہ مدینہ میں اپنے آخری سالوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے

آپ کو صرف "نذیر" سمجھنے سے بہت آگے نکل گئے تھے اور اب وہ ایک "الکتاب" کی تیاری بھی اپنا فرض سمجھتے تھے جو ان کی امت کا صحیفہ قرار پا سکے"

پھر یہ لکھتا ہے کہ اپنی دعوت کی ابتداء میں صرف پانچ تصورات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھی۔

۱: خدا کی قدرت اور رحمت

۲: قیامت کی جواب دہی کا تصور

۳: شکر خدا اور عبادت کا تصور

۴: راہ خدا میں انفاق

۵: اور لوگوں کو ڈرانا

اس کے بعد لکھتا ہے:

"The other aspects of his vocation do not come in to the earliest passages." (43)

"آپ کے منصب کے دیگر پہلوؤں کا ذکر قرآن کی ابتدائی سورتوں میں نہیں ملتا"

اور پھر آگے بڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی قرآن خدائی عبادت اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب کے علاوہ مہذب انسانی رویہ کے باقی اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ افسوس! دوپہر کے وقت نصف النہار پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب کی روشنی کو کس ڈھٹائی سے انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"There is nothing about respect for life, property. Parents and marriage or the avoiking of false witness." (44)

"قرآن کی ابتدائی سورتوں میں جان و مال کے احترام، والدین کے ادب، شادی اور جھوٹی گواہی دینے سے بچنے کے متعلق کچھ بھی نہیں ہے۔"

003212

نماز پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے لیکن مستشرقین مذکور نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی اختراع قرار دیتے ہیں۔

7.1 : اس اعتراض کا جائزہ

مستشرقین حضرات کا انداز تحقیق نرالا ہے۔ وہ اسلامی تاریخ، قرآن اور حدیث کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کو تاریخ کی ایک کتاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اناجیل اربعہ میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی مذکور ہیں تو وہ قرآن کریم میں بھی وہی رنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ سوچتے نہیں کہ اناجیل اربعہ میں تاریخ کے سوا کچھ نہیں جبکہ قرآن کریم علوم ومصارف کا ایک بحر بے کنار ہے۔

جس طرح زمانہ قدیم (قرون وسطیٰ) میں مستشرقین یا مغربی مصنفین تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) دعوائے نبوت میں خود ساختہ تھے۔ دور حاضر کے مستشرقین کا رویہ ان سے مختلف نہیں۔ تبدیلی صرف اور صرف منہج اور الفاظ میں آتی ہے منزل میں نہیں۔ مثلاً عہد حاضر کے معروف مستشرق منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

> "قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہ تصور عام کیا گیا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک (معاذ اللہ) جھوٹے پیغمبر تھے۔ جو غلط طور پر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ لیکن قرون وسطیٰ کے یہ تصورات جو دراصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اتر رہے ہیں۔" (45)

پروفیسر واٹ نے بالکل درست کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ اس پروپیگنڈے کا ایک جزو تھا جسے مسلمانوں کو ہرانے کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے کافی تفصیل کے ساتھ ان قدیم اہل یورپ کی تردید کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ جھوٹے دعوے یا جنون یا کسی بیماری کا الزام عائد کرتے تھے اور بتایا ہے کہ عہد حاضر کے مغربی اسکالرز روشن دلائل کی وجہ سے ان

...ات کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں قرمن وطی کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دے دینا چاہیے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسا انسان سمجھنا چاہیے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے وہ پیغامات سناتے تھے۔ جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ان کے پاس خدا کی طرف سے آتے ہیں۔'' (46)

اس اعتراف کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاف الفاظ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کر لیا جاتا۔ یا کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشیاں بند کر دیتے اور قرآن کریم کو اللہ ...ی کا کلام مانتے، لیکن صدیوں سے ذہنوں میں جمے ہوئے تصورات آسانی سے نہیں مٹتے۔ چنانچہ منٹگمری واٹ اور ...ن کی طرح کے عہد حاضر کے دوسرے مستشرقین ایک طرف تو یہ اعتراف کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوئے نبوت میں مخلص تھے۔ دوسرے طرف اپنے مذہب کو علی الاعلان چھوڑ کر اسلام کو اختیار کر لینا ان کے لیے مشکل ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیچ کی راہ تلاش کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی یہ توجیہہ پیش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی درحقیقت کوئی خارجی چیز نہیں۔ بلکہ (معاذ اللہ) یہ ایک اندرونی کیفیت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل غور وفکر اور مشاہدات کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔

8۔ تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض

تخلیق آدم اور ان کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کر دینے کا واقعہ قرآن میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔(47) یہ احادیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔(48) اس بارے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ تمام قصہ مرقیون Marcion کی کتاب سے لیا گیا ہے۔(49)

اس طرح عرش، لوح محفوظ اور میزان کا عقیدہ ایمانیات میں داخل ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ۲۳ بار عرش کا ذکر آیا ہے۔ اس طرح مذکورہ دونوں چیزوں کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ مستشرقین نے ان کے بارے

میں لکھا ہے کہ یہ سب قدیم مصری خرافات سے لی گئی ہیں اور یہی عقیدہ ان مسیحی خیالات کے ذریعے پہنچا ہے جو صحیفہ ابراہیمی میں درج ہے اور جو مصر میں پشتہا پشت سے رائج تھے۔(50)

غرض یہ کہ مستشرقین نے جملہ اسلامی عقائد پر اعتراضات کے تیر چلائے ہیں اور ان کو دوسری قوموں سے ماخوذ بتائے ہیں مثلاً واقعہ معراج کے بارے میں مستشرق ٹسڈل نے لکھا ہے کہ یہ روایت صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے ایجاد کی گئی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقابلہ دیگر انبیاء کے خدا کے دربار میں بہت زیادہ رسائی حاصل تھی اور دیگر انبیاء کے مقابلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ محبوب تھے۔(51) اسی طرح فرشتوں، اعراف جہنم کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ سب دوسری قوموں کی روایتوں اور قصے کہانیوں سے لی گئی ہیں۔(52)

عرش، کرسی، تخلیق آدم، لوح محفوظ، فرشتے اور جنت وجہنم یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر ایمان لایا جا سکتا ہے ان کا مشاہدہ اس دنیا میں کرایا جا سکتا ہے نہ قرآن سے بڑھ کر ان کی حقانیت کی دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے)۔ جہاں تک ان کے یہودی ذرائع سے ماخوذ ہونے کی بات ہے تو یہودی قوم میں آئے ہوئے نبیوں نے بھی ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ان کی روایتوں میں محفوظ ہیں یہ تو قرآن کی حقانیت کی مزید دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ" (53)

"اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے اور یہ کہ مشیت الٰہی یہی ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ نادان اور جاہل ہیں۔"

و۔ آسمان وزمین کے سات طبق پر اعتراض

قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے کہ آسمان وزمین کے سات طبق ہیں:

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا" (54)

"ساتوں آسمانوں اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے)"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" (55)

"دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے۔"

سورۃ الطلاق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ" (56)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی"

احادیث نبویہ میں بھی زمین اور آسمانوں کے طبق در طبق ہونے کا تذکرہ آیا ہے۔(57) علماء اسلام کے نزدیک ان کی تفصیلات کا علم نہیں لیکن آسمان اور زمین کا سات طبق ہونا جزو عقیدہ ہے۔

مستشرقین نے ان تفصیلات کو یہودی روایات سے ماخوذ بتایا ہے۔ ڈاکٹر ٹسڈل لکھتے ہیں کہ

''یہ امر قابل توجہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک بھی سطح زمین کے نیچے ہفت طبقات سفلی اور زمین کے اوپر ہفت طبقات علوی ہیں اور یہ سب طبقات ایک عظیم الجسامت سانپ کے سر پر قائم ہیں۔ جس کا نام شیش ناگ ہے۔'' (58)

9.1 - اس اعتراض کا جائزہ

ہم یہاں اس اعتراض کا جواب محمد جرجیس کریمی کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

''آسمان و زمین کے سات طبق ہیں یہ قرآن کریم کا بیان ہے اس کا مطلب ہے کہ کائنات لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جدید فلکیاتی سائنس بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ کائنات کی وسعتیں لامحدود ہیں (لامحدود کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی حد پیمائش کے اعتبار سے لا محدود ہیں ورنہ حقیقتاً کائنات لامحدود نہیں) ایک فلکیاتی سائنس دان، پیٹر ایم ل مین Peter. M. Milman لکھتے ہیں کہ اگر بڑی سے بڑی دوربین سے دیکھا جائے تو آسمان پر نظر آنے والے تاروں سے بھی زیادہ گیلکسیاں (کہکشائیں) نظر آئیں گے۔ مونٹ ولسن، کیلیفورنیا کی رصدگاہ میں نصب شدہ دوسوانچ کی دوربین سے تقریباً ایک ارب کہکشائیں وقت واحد میں ۳ کے بعد ۲۲ صفر میل کے فاصلے کے اندر دکھائی دیتی ہیں۔ جدھر بھی آپ دوربین کو موڑیں یہی حال ہوگا''۔

ان گیلکسیوں کا احاطہ بھی کچھ معمولی نہیں ان کے قطر دس ہزار نوری سال (نوری سال سے مراد روشنی کی رفتار ہے جو کہ فی سیکنڈ تین لاکھ ۸۷ ہزار کلومیٹر ہے) یا ۴ کے بعد ۱۶ صفر میل سے لے کر ایک لاکھ نوری سال یا چار کے بعد ۱۷ صفر میل ہے۔ دو گیلکسیوں کے درمیان فاصلہ بھی ہزاروں لاکھوں نوری سالوں کا ہوتا ہے۔

تاروں کے مجموعے اور دخانی مادوں کو گلیکسی کہا جاتا ہے۔ ایک گلیکسی میں منجملہ ایک کھرب یعنی ایک کے بعد گیارہ صفر سے بھی زائد تارے ہوتے ہیں۔ ان کا مجموعی مادہ تقریباً ایک کھرب سورجوں کے مادہ کے برابر ہے ہمارا

سورج زمین سے چار لاکھ گنا بڑا ہے اور زمین کو اگر مٹی کا ڈھیر سمجھ لیا جائے اور روزانہ پانچ ارب انسان فی کس ایک ٹن مٹی دوسری جگہ منتقل کرنے لگیں تو تین ارب سال لگیں گے۔ جب گیلیکسوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف دھوؤں اور تاروں کا ڈھیر ہی نہیں بلکہ ان میں رفتار بھی ہے جو لاکھوں سے لے کر کروڑوں کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے فضائے بسیط میں دوڑ رہی ہیں۔

ان ساری باتوں سے کائنات کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب کہ قرآن کے مطابق یہ دنیاوی آسمان کے نیچے کی وسعت کا حال ہے جبکہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان اور دوسرے سے تیسرے آسمان تک علی ہذا القیاس ساتوں آسمانوں کے درمیان اتنی ہی دوری ہیں جتنی کہ زمین سے پہلے آسمان کی دوری نظر آتی ہے۔

سائنس اور سائنس دان کو جب یہ بات تسلیم ہے کہ کائنات لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کا آخری کنارا کہاں ہے اس کا علم اس کے پاس نہیں ہے تو سات آسمانوں کے قرآنی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ جہاں تک ہندوؤں میں ہفت طبقات سفلی اور علوی کا سوال ہے تو اس کی توضیح وتشریح ہندومت کے پیروکاروں سے پوچھی جا سکتی ہے کہ یہ ایک عظیم الجسامت سانپ (شیش ناگ) کے سر پر یہ طبقات قائم ہیں یا یہ کرہ ارض فضائے بسیط میں مانند اور سیاروں کے گردش کر رہی ہے۔ (59)

10 - قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض

قرآن کریم اپنے اسلوب، ترکیب اور نظم عبارت میں فصاحت و بلاغت کے درجہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔ بعض مستشرقین نے قرآن میں فصاحت و بلاغت کی خود ساختہ کمیاں و خامیاں دکھا کر اس کو غیر خدائی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بکثرت تکرار ہے جو کہ بلاغت کے منافی ہے۔ بعض عبارتوں میں ضمائر کی غلطیاں ہیں۔ مثلاً ''ھذان خصمان اختصموا فی ربھم'' میں ھذان خصمان اختصما فی ربھما ہونے چاہیے اسی طرح ''سلام علی الیاسین'' اور ''طور سنین'' کی جگہ ''سلام علیٰ الیاس'' اور ''طور سینا'' ہونا چاہئے غرض یہ کہ اس طرح کی اور بھی بہت سی خامیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے جیسے صرف ونحو کے بارے میں

ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بہت سی صرفی ونحوی غلطیاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر "وقطعناهم اثنتي عشرة اسباطا" میں عدد کو مؤنث اور معدود کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ ازروئے قاعدہ عدد کو مذکر اور معدود کو مفرد لایا جاتا۔ (60)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں بلاشبہ تکرار ہے لیکن اس کی حکمت ہدایت سے بے نور اور محروم دل و دماغ میں نہیں سما سکتی اس لیے اس کا بیان کرنا لا حاصل ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کی بعض عبارتوں یا آیات میں ضمائر کی غلطیوں کا سوال ہے تو وہ غلطیاں نہیں بلکہ مستشرقین کی عربی قواعد وضوابط سے ناواقفیت کی دلیل ہیں مثال کے طور پر "هذان خصمانِ اختصموا في ربهم" میں جو جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان ہوا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ "اختصام" میں جماعت کے امکان کا فائدہ باقی رہے۔ دوسری صورت میں یہ افادیت جاتی رہتی جبکہ اس صورت میں بھی ذہن خود بخود تثنیہ حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ عربی قاعدہ کے مطابق ہے کہ ضمیر کا مرجع خواہ لفظاً بیان کیا جائے خواہ معنیٰ دونوں اعتبار سے صحیح ہے۔

اسی طرح الیاس اور طور سینا یہ دونوں اسم معرب ہیں اور ان کا دونوں صورتوں میں تلفظ جائز ہے۔

اسی طرح "وقطعنا هم اثنتي عشرة اسباطا" میں اثنتی عشرۃ کی تمیز اسباطاً نہیں وہ مفہوم ہے جو "قطعناهم" کے اندر پایا جاتا ہے اور وہ "وقطعناهم اثنتي عشرة "قطعۃً" ہے۔ پس عدد بھی مونث ہے اور معدود بھی پھر تعارض کہاں رہا۔ (61)

11- قرآنی قصص اور تاریخی واقعات پر اعتراض

قرآن کریم میں انبیاء علیہ السلام اور ان کے اقوام کے قصص بیان ہوئے ہیں ان کی صداقت اور واقعیت پر ایمان ضروری ہے جیسے کہ قرآن کریم کے دوسرے تفصیلات پر ایمان ضروری ہے ان واقعات اور تاریخی حقائق کے بارے مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ سب ازخود گڑھ لیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ اخذ و استفادہ کا بھی الزام لگایا گیا ہے کہ قرآن کے زیادہ تر قصے قدیم اقوام سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے واقعہ

کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ یہودی سنی سنائی روایتوں سے ماخوذ ہیں۔(62)

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کے واقعہ کے بارے میں مستشرقین نے لکھا کہ ''قرآن میں یہ قصہ مسلسل طور پر ایک جگہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔لیکن مسلمانوں نے اس کے منتشر اجزاء اور اس کی کڑیاں ملا کر ایک مفصل قصہ تیار کر لیا ہے جو اصلاً مرداش ربہ Mirdash Rabba سے ماخوذ ہے۔اسی طرح ملکہ سبا اور سلیمان، ہاروت ماروت، مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ سارے قصے یہودیوں کی پرانی کتابوں یا بائیبل کے نسخوں سے ماخوذ ہیں۔(63)

11.1 - اس اعتراض کا جائزہ

قرآن کریم میں بلا شبہ قصص وتاریخی واقعات بیان ہوتے ہیں۔ان کو من گھڑت قرار دینا اور ان کی صحت و واقعیت سے انکار کرنا دانشمندی نہیں گمراہی اور بدقسمتی ہے اور گویا یہ بات ایسی ہے کہ آدمی اپنے ماقبل انسانی تاریخ کی حقیقتوں اور واقعات سے انکار کر دے۔ بائبل اور ماقبل صحیفوں میں بھی ان میں سے بعض واقعات بیان کیے گئے ہیں۔لیکن ان کی صحت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کتابوں میں تحریف اور اضافہ معلوم ومسلّم ہے۔ان واقعات کو صحیح رنگ اور پوری صحت کے ساتھ کوئی کتاب پیش کرتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔اب ان کے بارے میں قرآن کریم کی صحت پر شبہ کرنا انسان کی بدقسمتی کی سب سے بڑی مثال ہوگی۔

بائبل وغیرہ میں بزرگ انبیاء کے واقعات مسخ شدہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ان کے انبیائی کردار کو داغ داغ تو کیا ہی گیا ہے انسانی کردار بھی بھیانک صورت میں نظر آتا ہے (متعلقہ قصوں کا قرآن اور بائبل سے موازنہ کیا جا سکتا ہے) جب کہ قرآن میں ان بزرگ پیغمبروں اور ہستیوں کی زندگیوں کو انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا ہے اس کے باوجود ان کو بائیبل وغیرہ سے ماخوذ ماننا انصاف کی بات نہیں ہے۔ (64)

خود آزمائی

1- قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر مستشرقین کے اعتراض کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

2- مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب قلم بند کیجئے کہ قرآنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔

3- حفاظت قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

4- کتابت قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

5- مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب قلم بند کیجئے کہ قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے۔

6- مستشرقین کا اس اعتراض کا جواب قلم بند کیجئے کہ قرآن کریم ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔

7- مستشرقین کا اس اعتراض کا جواب قلم بند کیجئے کہ شرک کی نفی اور توحید کی اثبات اسلام کی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔

8- تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

9- قرآن کریم کی عربیت پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

1: Sale G: "The Koran" New York, 1890 Page:48

2: منٹگمری واٹ، "محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین" ص ۱۷، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۱ء

3: Arthur Jeffery " Islam, Muhammad and His Religion" India, 1979, Page 47

4: "محمد، پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین"، ص ۱۷

5: ایضاً

6: سورۃ النحل: ۱۰۳

7: ضیاء النبی، ج ۶، ص ۳۷۱

8: سورۃ المائدہ: ۴۸

9: F. Buhl , Encyclopaedia of Islam, Page 1067, Vol:3, Koran

10: سورۃ الاعلیٰ: ۶......۷

11: سورۃ البقرہ: ۱۰۶

12: مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۲۱۴

13: Margoliouth D. S. , Encyclopaedia of Religion and Ethics Page 543

14: البخاری، کتاب فضائل القرآن، صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن

15: سورۃ النساء: ۱۴۰

16: سورۃ الانعام: ٦٨

17: Margoliouth D. S. , Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol: 10 Page: 542

18: مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۲۱۸،

19: تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۲۲

20: سورۃ الانعام: ۹۲

21: Margoliouth D. S. , Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol: 10 Page: 543

22: صحیح البخاری کتاب التفسیر، سورۃ حم، عسق

23: Margoliouth D. S. , Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol: 10 Page: 543

24: مسند احمد، حصہ زوائد، مسند عائشہ، ج ٦، ص ۲٦۹، دار صادر بیروت

25: The Koran, Page: 49

26: ضیاء النبی، ج ٦، ص ۳۸٦

27: The Koran, Page: 50

28: سورۃ یونس: ۳۹

29: سورۃ النجم: ۱۰

30: Muhammad at Macca, Page: 56

:31 ضیاء النبی، ج ۶، ص ۳۹۳

:32 سورۃ التکویر: ۱۹......۲۱

:33 سورۃ النحل: ۱۰۲

:34 سورۃ الشعراء: ۱۹۳......۱۹۴

:35 محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص ۴۰

36: Muhammad at Mecca, Page: 87

37: Ibid Page: 93

:38 ضیاء النبی، ج ۶، ص ۴۰۲

:39 سورۃ طٰہٰ: ۸

:40 سورۃ الاعراف: ۱۸۰

:41 سورۃ بنی اسرائیل: ۱۱۰

42: Muhammad at Mecca, Page: 80

43: Ibid Page: 82

44: Ibid Page: 33

45: Watt, Bell's Interoduction to the Quran, Ch:2, Page:17

46: Ibd, Page: 18

:47 سورۃ الحجر: ۳۲......۴۰ ، سورۃ الاعراف: ۱۱......۱۲ وغیرہ

48: المشکوٰۃ باب فی الوسوسہ بحوالہ مسلم وغیرہ

49: مآخذ القرآن، ڈاکٹر ٹسڈل، اردو ترجمہ ماہنامہ نگار، لکھنؤ، قرآن نمبر، جنوری ۱۹۴۵ء، ص ۸۴

50: ایضاً

51: ایضاً

52: محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ادارہ خدمت خلق (بہار) انڈیا، ۱۹۹۹ء، ص ۲۵

53: سورۃ الانعام: ۱۱۱

54: سورۃ بنی اسرائیل: ۴۴

55: سورۃ المومنون: ۸۶

56: سورۃ الطلاق: ۱۲

57: صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

58: مآخذ القرآن، ص ۵۱......۵۳

59: قرآن اور مستشرقین، ص ۶۳......۶۴

60: زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام، بحث الاستعمار والقرآن

61: قرآن اور مستشرقین، ص ۶۹

62: ایضاً

63: مآخذ القرآن کے متعلقہ مباحث دیکھئے۔

64: قرآن اور مستشرقین، ص ۶۶

یونٹ نمبر......3

علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (ا)

تالیف و ترتیب

ثناءاللہ حسین

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضور صلی علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا قرآن مختلف صحف کی شکل میں ضبط تحریر میں آ چکا تھا اور قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کے لیے حفظ و کتابت اور ترتیل کی سرگونہ کوشش عمل میں آئیں، مستشرقین نے جمع قرآن کریم کے ساتھ باقی علوم القرآن پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی تعداد بہت ہے اور انہوں نے مختلف نوعیتوں اور جہتوں سے علوم القرآن پر اعتراضات کیے ہیں۔

اس یونٹ میں جمع قرآن کریم اور کتابت قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے اس طرح قرآن کریم کی مختلف قرآتوں پر اعتراضات، معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات کا علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیا گیا ہے اور پھر آخر میں مزید مطالعہ کے لیے حوالہ جات میں بعض کتابوں کا فہرست بھی پیش کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱ علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۲ مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب قلم بند کر سکیں کہ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد صرف چار تھی۔

۳ مستشرقین کے جمع قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۴ خلافت صدیقی میں کتابت قرآن کی روایت پر مستشرقین کے اعتراض کا جواب دے سکیں۔

۵ قرآن کریم کی مختلف قرآتوں پر اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۶ قرآن کریم کی شاذ قرآتوں کی حقیقت جان سکیں۔

۷ معوذتین کی قرآنیت پر مستشرقین کے اعتراضات پر ایک علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۱)

مستشرقین نے علوم القرآن پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انہوں نے مختلف حیثیتوں اور جہتوں سے علوم القرآن پر اعتراضات کئے ہیں۔ بلکہ ہم کہ سکتے ہیں کہ علوم القرآن کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر ان کے اوچھے اعتراضات نہ ہوں۔ مستشرقین کے ذہنیت کو سمجھنے کے لئے ہم کچھ اعتراضات بطور نمونہ بیان کر رہے ہیں۔ ان اعتراضات میں چند درج ذیل ہیں۔

1- یہ اعتراض کہ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد صرف چار تھی۔

2- جمع قرآن کریم پر اعتراضات

3- خلافت صدیقیؓ میں کتابت قرآن کریم کی روایت پر مستشرقین کا اعتراض

4- حضرت عثمانؓ کے عہد میں کتابت قرآن کریم پر اعتراض

5- قرآن کریم کی مختلف قرأتوں پر اعتراضات

6- یہ اعتراض مختلف قرأتیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی کو پڑھنے میں جو اختلاف ہوا، اس کی بناء پر پیدا ہوئیں۔

7- معوذتین کی قرآنیت پر اعتراضات

ذیل میں ہم مستشرقین کے ان اعتراضات کا تنقیدی اور علمی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

1- یہ اعتراض کہ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد صرف چار تھی

بعض مستشرقین حفاظت قرآن اور اس کے تواتر سے متعلق یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ کی روایت جو کہ صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔"سالت انس بن مالکؓ من جمع القرآن علی عہدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربعة کلھم من الانصار،ابی بن کعبؓ ومعاذبن جبلؓ وزید بن ثابتؓ وابو زیدؓ" (1)

"میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کس نے جمع کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا چار افراد نے جن میں سے ہر ایک انصار میں سے تھا، حضرت ابی بن کعبؓ حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوزیدؓ، اس روایت سے بعض مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کریم کے حفاظ بس یہی چار مذکورہ حضرات ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ صحابہؓ کی پوری جماعت میں ان چار حضرات کے سوا کوئی اور قرآن کریم کا حافظ نہیں تھا، بلکہ مذکورہ بالا حدیث میں قرآن کریم کو جمع کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا صحیح مفہوم قرآن کریم کو لکھنا ہے اور حضرت انسؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ چار حضرات وہ ہیں جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں قرآن کریم پورا پورا لکھا ہوا موجود تھا۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے طبری کی ایک روایت کے حوالے سے حضرت انسؓ کے اس ارشاد کا پورا قصہ یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں باہمی مفاخرت کا سلسلہ چلا، قبیلہ اوس کے حضرات نے اپنے قبیلے کے ان افراد کا نام شمار کرائے جنہیں اسلام میں خصوصی مقام حاصل ہوا، اس کے جواب میں قبیلہ خزرج کے حضرات (جن میں انسؓ بھی شامل تھے) یہ فرمایا کہ ہم میں سے چار حضرات ایسے ہیں جنہوں نے پورا قرآن کریم جمع کیا تھا، لہٰذا اس ارشاد کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں قرآن کریم کو جمع کرنے والے چار حضرات تھے۔ (2)

2 - جمع قرآن کریم پر اعتراضات

2.1 - کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا یا نہیں؟

مستشرقین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ چونکہ صدیق اکبرؓ کے دور میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں لغت قریش کے مطابق قرآن کریم کے نسخے تیار کروا کر مختلف علاقوں میں بھیجنے کی جو کوششیں ہوئیں، اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تحریر نہیں ہوا بلکہ اس کو بعد میں آپ کے جانشینوں نے تحریر کیا۔ یہاں پر ہم مستشرقین کے اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ ذکر کریں گے کہ جو قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا وہ محفوظ نہیں رہا بلکہ انسانی ہاتھوں نے اس میں ترامیم اور اضافے کر دیئے ہیں اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کتابی شکل میں موجود نہیں تھا۔

2.2 - مستشرقین کے اعتراضات

"بلاشیر" قرآن کریم کی حفاظت پر شکوک بنانے کیلئے کہتا ہے:

> "وحی کی تدوین کا خیال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ طیبہ میں مقیم ہونے کے بعد پیدا ہوا۔ نیز قرآن کی تدوین جزوی تھی اور اس کا انحصار انفرادی کوششوں پر تھا جس کی وجہ سے اختلافات کا رونما ہونا قدرتی بات تھی۔" (3)

اسی طرح آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) غلط تاثر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

" It is clear that he had been preparing a book for his community which would be for them what the old testment was for the jews and the New Testament for the cristians, but

he died before his book was ready, and what we have in the Quran is what his followers were able to gather after his death and issue as the corpus of his a revelations" (4)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اپنی امت کیلئے ایک کتاب تیار کر رہے تھے جس کی آپ کی امت کے نزدیک وہی حیثیت ہوگی جو یہودیوں کے نزدیک عہد نامہ قدیم کی اور عیسائیوں کے نزدیک عہد نامہ جدید کی ہے، لیکن کتاب کی تکمیل سے پہلے آپ کا انتقال ہوگیا اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جس کو آپ کے پیروکار آپ کے انتقال کے بعد جمع کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہیں آپ کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔''

ایچ اے آر گب (H.A.R.Gibb) نے بھی یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ تالیف قرآن کا کام حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل نہیں ہوا، وہ لکھتا ہے:

" It seems possible that the work of compilation was begun in his lifetime, but it was completed only some years after his death" (5)

''یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ تالیف قرآن کا کام آپ کی زندگی میں شروع ہوگیا تھا، لیکن اس کی تکمیل آپ انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہوئی۔''

2.3 - علمی وتنقیدی جائزہ

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن کریم نازل ہوا وہ حرف بحرف محفوظ ہے اور آج قرآن کریم اسی طرح پڑھا جا رہا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کلام کو محفوظ کرنے کے دو ذریعے تھے ایک حفظ فی الصدور اور دوسرا حفظ فی السطور، دوسرے طریقے کے لئے پتھر، کھجور کے درختوں کے پتے، ہڈیاں یا چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے یہ دونوں طریقے بھرپور انداز میں استعمال کئے، ابتدا

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا جب جبرائیل علیہ السلام ایک چند آیتیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل امین کے تلاوت کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی سے قرآن کریم پڑھنے ی کوشش کرتے تاکہ آپ پر جو وحی نازل ہورہی ہے وہ حفظ ہو جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو، اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو محفوظ کرنے کے بارے کتنے سنجیدہ تھے اور اس عمل پر قرآن بھی شاہد ہے اور اس میں مستشرقین کے اس مفروضے کی تردید بھی ہے کہ تدوین قرآن اور حافظت قرآن کا خیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے بعد آیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۚ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا" (6)

"اور نہ عجلت کیجئے قرآن کریم کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف وحی اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میر علم کو"

یہ حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ آپ کو حفاظت قرآن کے سلسلے کا سلسلہ مکمل ہوگا، پھر آیات اور سورتوں کے توقیفی کے سلسلہ میں ڈاکٹر شلبی لکھتے ہیں۔

"وكان جبريل كلما نزل بشئ ارشد الرسول الى مكانه ليقراء القرآن مرتبا كما اراده الله وكماهومدون فى اللوح المحفوظ لا كترتيبه حسب النزول ولهذا كان الرسول كلمانزلت عليه الاية أولايٰت يقول ضعوها فى السورة التى يذكر فيها كذابين اٰية كذا واٰية كذا" (7)

"حضرت جبرائیل امین جب کبھی کچھ وحی لے کر نازل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتاتے کہ ان آیات کی جگہ کون سی ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت اس ترتیب سے کریں جو ارادہ خداوندی کے مطابق ہے اور جس ترتیب سے قرآن کریم لوح محفوظ میں مدون ہے نہ کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی کے مطابق۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل امین کے قراءت ختم کرنے کا انتظار فرماتے پھر آپ اسی طرح خود پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل نے پڑھا ہوتا، جبرائیل کے واپس چلے جانے کے بعد آپ نازل شدہ ن کریم ان صحابہ کرام کو پڑھ کر سناتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو وہ ترتیل کے ساتھ پڑھیں پ کچھ کاتبین وحی کو طلب فرماتے تا کہ نازل شدہ آیات کو لکھ ،، اسی طرح جب قرآن کریم نازل ہوتی تو کرام انہیں یاد کرتے اور انہیں لکھنے کے کام آنے والی کوئی چیز مثلاً کھجور کے درخت کے پتے پتھر کی سلیں ں کی ہڈیاں' چمڑے کے ٹکڑے میسر آتی اس پر انہیں لکھ لیتے، پھر یہ مکتوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں رکھ دی یہ کا طرح جاری رہا حتیٰ کہ قرآن کریم مکمل طور پر نازل ہوا اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ کو جبریل امین سے وحی قبول کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا اور فرمایا کہ جبریل امین کے قرأت سے فارغ ہونے تک آپ انتظار کریں۔

"لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" (8)

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تا کہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا، پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا پھر ہمارے ذمے ہے اس کو کھول بیان کر دینا۔"

اس ہدایت ربانی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطابق وحی کو حضرت جبریل امین سے قبول فرماتے۔

ڈاکٹر محمد مصطفی شلبی لکھتے ہیں۔

"ثم ان جبريل كا ينزل فى ليالى رمضان من كل عام لعرض مانزل من القرآن فكان يقراء اولاً ورسول الله يقرء كما قرء بترتيبه الى ان كان العام الاخيرالذى توفى فيه رسول الله فعرضه مرتين

وبعد ذلک یقرء رسول اللہ علی اصحابہ حسبما عرضہ جبریل ولم ینتقل رسول اللہ الی الرفیق الاعلی .الا والقرآن کلہ محفوظ مرتب الایات فی صدور اصحابہ ومکتوب کلہ فی الصحف فی بیتہ غیر انہ لم یکن مجموعا فی مصحف واحد" (9)

''پھر حضرت جبریل امین ہر سال رمضان کی راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل شدہ قرآن کریم کا دور کرنے کے لئے نازل ہوتے پہلے حضرت جبرائیل امین پڑھتے پھر صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے حضرت جبرائیل نے پڑھا ہوتا، یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دار فانی سے کوچ فرمایا، اس سال جبرائیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبار قرآن کریم کا دور فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کو اسی طرح پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس چلے گئے تو قرآن کریم مکمل طور پر محفوظ ہو چکا تھا یہ کلام پاک آیات الہامی ترتیب کے ساتھ آپ کے صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس کے تمام اجزاء صحف کی شکل میں کتابت شدہ آپ کے کاشانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں محفوظ تھے البتہ اس وقت تک قرآن کریم کو ایک مصحف کی شکل میں ابھی جمع نہیں کیا گیا تھا۔''

حاصل بحث یہ ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا قرآن کریم مختلف صحف کی شکل میں ضبط تحریر میں آ چکا تھا، اور بے شمار سینوں میں بھی محفوظ ہو چکا تھا اور صحابہ کرامؓ قرآن کریم کی تلاوت اسی ترتیب سے کرتے تھے جس ترتیب سے جبرائیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا دور کیا تھا اور جس ترتیب کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پڑھتے تھے جہاں تک آیات کی ترتیب کا مسئلہ ہے امت کے علماء کا ہر زمانے میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے، قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کے لئے حفظ وکتابت اور ترتیل کی سرگونہ کوشش عمل میں

آئیں، مستشرقین چونکہ اپنی ہر چیز کو معیار قرار دینے اور دوسری چیزوں کو اپنی خود ساختہ معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں، اس لئے حفظ وترتیل کی شکل میں حفاظت قرآن کریم کی جو بے مثال کوششیں عمل میں آئیں وہ ان کو کوئی اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں۔

احادیث طیبہ میں متعدد ایسے صحابہ کرامؓ کے نام مذکور ہیں جن کو پورا قرآن حکیم حفظ تھا ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، سالم بن معقل مولی ابی حذیفہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوزید بن السکن اور ابو الدرداءؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا مستند معلم قرار دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"سمعت رسول اللہ ﷺ یقول خذواالقرآن من اربعة: من عبداللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وأبی ابن کعب" (10)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا، قرآن حکیم چار اشخاص سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی ابن کعب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔"

احادیث طیبہ میں کچھ صحابہ کرامؓ کے متعلق وضاحت کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو حفظاً اور کتابتاً جمع کر رکھا تھا، "عن قتادة قال :سألت انس ابن مالک: من جمع القرآن علی عهد رسول اللہﷺ فقال اربعة کلهم من الأ نصار، أبی بن کعب و معاذ بن جبل وزید بن ثابت وأبوزید: قلت: من ابوزید؟ قال: احد عمومتی" (11)

"حضرت قتادہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کن لوگوں نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا؟ آپ نے فرمایا چار اشخاص نے جو تمام کے تمام انصار میں سے تھے، ابی بن کعب، معاذ جبل، زید بن ثابت اور ابوزید، قتادہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون ابوزید؟ تو آپ نے فرمایا میرے چچاؤں میں سے ایک۔"

ہم پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ اس روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں ان چار حضرات کے سوا کوئی اور قرآن کریم کا جمع کرنے والا نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کو پڑھنے اور حفظ کرنے کے اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں حفاظ قرآن کریم کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ صرف بئر معونہ کے واقعہ میں ستر حفاظ شہید ہوئے۔ اس طرح جنگ یمامہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوئی تقریباً ستر حفاظ کرام شہید ہوئے تھے۔ ابو عبیدہ نے ''کتاب القراءات'' میں خلفائے اربعہ کے علاوہ متعدد مہاجرین وانصار کے نام لکھے ہیں جنہیں قرآن کریم یاد تھا، یہاں ایک سوال ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ اگر عہد رسالت میں حفاظ کرام کی تعداد اتنی زیادہ تھی تو پھر احادیث میں صرف چھ سات صحابہ کرام کو حفاظ کرام کے طور پر کیوں پیش کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب مناع القطان فرماتے ہیں:

> ''بخاری شریف کی مذکورہ بالا تین روایات میں عہد رسالت کے حفاظ کی تعداد سات میں محصور ہونے کا جو تاثر ابھرتا ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خوش نصیب ہیں جنہوں نے سارے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرکے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر بھی سنایا اور ان سے متصل اسناد کے ساتھ ہم تک قرآن کریم پہنچا ان کے علاوہ حفاظ قرآن کریم کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان میں مذکورہ بالا تمام چیزیں جمع نہ تھیں، امت مسلمہ نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے حفظ وترتیل کا جو طریقہ اپنایا ہے، اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، حفظ وترتیل کے ساتھ ساتھ کتابت کا سلسلہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے چلتا آرہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی کتابت کے لئے کاتبین وحی کی باقاعدہ ایک جماعت تیار کر رکھی تھی، جو کہ اکابر صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی ان میں حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے لوگ شامل تھے۔'' (12)

کاتبین وحی کی یہ جماعت جس کے ارکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقاعدہ حکم کے تحت وحی کی کتابت

کرتے تھے ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرامؓ ذاتی طور پر بھی قرآن حکیم کو لکھا کرتے تھے ان کو لکھنے کی جو بھی چیز میسر آ جاتی وہ اس پر قرآنی آیات لکھ لیا کرتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"کنا عند رسول اللہ ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع"

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور مختلف ٹکڑوں کی مدد سے قرآن کریم کو جمع کر رہے تھے۔"

حاصل بحث یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی سارا قرآن کریم لکھا جا چکا تھا، کاتبین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو لکھا تھا وہ سارا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھا، بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے جن کے پاس پورا قرآن کریم کتابت کی شکل میں موجود تھا ان میں حضرت علیؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعب، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو زیدؓ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (13)

3- خلافت صدیقیؓ میں کتابت قرآن کی روایت پر مستشرقین کا اعتراض

3.1 - کتابت قرآن عہد صدیقیؓ میں

خلافت صدیقیؓ تک قرآن کریم مختلف تحریروں کی شکل میں موجود تھا لیکن اس کو ایک صحیفہ کی شکل میں جمع نہ کیا گیا تھا، جب جنگوں میں کثرت کے ساتھ صحابہ کرام شہید ہونے لگے تو حضرت عمرؓ کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر حفاظ کرام کی شہادت کی رفتار یہی رہی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں قرآن کریم کے کچھ حصے سے محروم ہونا پڑے، اس صورت میں ضروری محسوس ہوا کہ حفظ کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی کتابت کو بھی ایسی شکل دی جائے کہ اس کے بعد اس کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

جب حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ کی توجہ اس طرف مبذول کرلی ابتداء میں اس نے انکار کیا، لیکن عمر فاروقؓ کے اصرار پر وہ اس کام کے لئے تیار ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس کام پر مامور فرمایا، یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے نہ صرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

قرآن کریم سن کر حفظ کیا تھا بلکہ یہ لوگ دور رسالت میں کتابت وحی کے فریضے پر بھی مامور تھے، جمع قرآن کا فریضہ ان لوگوں کے لئے جہاں ایک بہت بڑا اعزاز تھا وہاں یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی انہیں اس فریضے کی نزاکت اور اس کی مشکلات کا احساس تھا اس لئے حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا: '' فواللّٰه لو كلفو نی نقل جبل من الجبال ماكان اثقل مما امرنی به من جمع القرآن'' (14)

''خدا کی قسم جمع قرآن کی بجائے اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ کام مجھ پر اس سے زیادہ بوجھل اور مشکل نہ ہوتا۔''

حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کی جماعت کا کام یہ تھا کہ وہ پہلے سے مرتب اور تحریر شدہ صحیفوں کو ایک صحیفے کی شکل میں جمع کریں اس کام کے لئے انہوں نے بہت عرق ریزی اور خلوص کا مظاہرہ کیا، اس جماعت نے اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لئے نہ تو اپنے حافظوں پر مکمل بھروسہ کیا اور نہ ہی انہوں نے اپنے پاس محفوظ مخطوطوں کی مدد سے مصحف مبارک تیار کرنے کا کام شروع کیا بلکہ انہوں نے اس کار خیر میں پوری امت مسلمہ کو شامل کیا، حضرت عمرؓ نے مسلمانوں میں اعلان کیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر قرآن کریم کا کچھ حصہ لکھ رکھا ہو، وہ لے آئے، اعلان کے مطابق جس شخص کے پاس قرآن کریم چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں یا کھجور کے پتوں میں سے کسی چیز پر لکھا ہوا موجود ہوتا، وہ اسے لے کر حضرت زید بن ثابتؓ کی خدمت میں حاضر کر لیتا حضرت زیدؓ اس تحریر کو قبول کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہ سمجھتے تھے کہ وہ لکھا ہوا موجود ہے بلکہ جو شخص قرآن کریم کا کوئی حصہ لے کر آتا اس سے اس بات پر دو گواہ طلب کرتے کہ یہ تحریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لکھی گئی تھی، جب کسی تحریر پر دو گواہ گواہی دے دیتے تو آپ اس کو مصحف میں درج فرما لیتے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا ''اقعدا على باب المسجد فمن جاء كما بشاهدين على شئ من كتاب اللّٰه فاكتباه'' (15)

''مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ جو شخص قرآن کریم کے کسی حصے کو لے کر آئے اور اس پر دو گواہ

پیش کرے، اسے لکھ لو‘‘

حضرت زید بن ثابتؓ اور آپ کے رفقاء کار نے مندرجہ بالا ہدایات کے مطابق قرآن کریم کو جمع کرنا شروع کیا ان کا اعتماد نہ صرف حفظ پر تھا اور نہ صرف کتابت پر بلکہ وہ حفظ کتابت کے ساتھ دو گواہوں کی گواہی بھی حاصل کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت زید بن ثابتؓ کے سینے میں پہلے سے محفوظ تھا اور جو آپ کے پاس کتابت شدہ شکل میں بھی موجود تھا، آپ نے اس کی ہدایت پر صحابہ کرام کی کم از کم دو شہادتیں حاصل کر کے اسے ایک مصحف میں جمع کر دیا، اس مصحف کی سورتوں اور آیات کی ترتیب وہی تھی جو آپ اور آپ کے رفقاء کار کے سینوں میں محفوظ تھی جس ترتیب کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم پڑھتے سنا تھا اور جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین کے ساتھ قرآن کا دور کیا تھا، یہ بعینہ وہی ترتیب ہے جس ترتیب کے ساتھ قرآن کریم لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔

3.2 - مستشرقین کا اعتراض

حضرت صدیقؓ کے زمانے قرآن کو جمع کرنے کا جو ذکر ہم نے کر دیا، بعض مستشرقین نے اس واقعہ ہی کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں سرکاری سطح پر قرآن کریم کی جمع وترتیب کی کوشش نہیں ہوئی، بلکہ سرکاری طور پر اس نوعیت کا پہلا کارنامہ حضرت عثمانؓ نے انجام دیا تھا، انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے جس نسخے سے استفادہ کیا تھا وہ حضرت حفصہؓ کا ذاتی نسخہ تھا کوئی سرکاری طور پر تیار کیا ہوا نسخہ نہیں تھا۔

ان تمام اعتراضات کا خلاصہ پروفیسر منٹگمری واٹ نے بیان کیا ہے(16) یہاں ان تمام اعتراضات کو بیان کر کے جواب دینا اس لئے غیر ضروری ہے کہ ان میں سے اکثر اعتراضات ایسے ہیں جن کا جواب دینا اس لئے غیر ضروری ہے کہ ان میں اکثر اعتراضات ایسے ہیں جن کا ایک معمولی واقفیت کا انسان خود سمجھ سکتا ہے البتہ ان میں سے چند اہم اعتراضات کا جواب یہاں پیش خدمت ہے۔

3- ایک اہم اعتراض

کہ صحیح بخاری کی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں جمع قرآن کا محرک تھا کہ یمامہ کی جنگ میں حفاظ وقراءٗ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی تھی، حالانکہ تاریخی طور پر یہ محرک صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یمامہ کے شہداء کی فہرست میں ایسے لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، جو قرآن کے حافظ ہوں کیونکہ شہداء زیادہ تر نومسلم تھے۔

3- اس اعتراض کا جواب

حقیقت میں یہ اعتراض بے بنیاد ہے، یہ اعتراض سب سے پہلے فریڈرک شالے(Fredirch Sahwal) نے کیا تھا اس کے بعد مستشرقین آنکھیں بند کر کے اس تقلید کرتے چلے گئے اور کسی نے یہ زحمت نہیں کی کہ یمامہ کے شہداء کی فہرست دیکھ کر اس بات کی تحقیق کی جائے کہ یہ اعتراض صحیح ہے یا غلط؟ واقعہ یہ ہے کہ یمامہ کی جنگ میں مدینہ طیبہ کے رہنے والے مہاجرین شہداء کی تعداد تین سو ساٹھ (۳۶۰) اور مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسرے مقامات کے رہنے والے مہاجرین کی تعداد تین سو (۳۰۰) تھی۔ (17)

ظاہر ہے کہ ان چھ سو ساٹھ (۶۶۰) افراد کے پورے نام تو تاریخ میں محفوظ نہیں رہے، البتہ ان میں سے اٹھاون (۵۸) مہاجرین وانصار کے نام حافظ ابن کثیر نے نقل فرمائے ہیں۔ (18) ان اٹھاون (۵۸) افراد میں ایک حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ہیں جو حافظ اور قاری ہونے کے اعتبار سے صحابہؓ میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار حضرات سے بطور خاص قرآن کریم سیکھنے کا حکم دیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مسجد قباء میں امام یہی تھے اور حضرت عمرؓ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، سفر میں بھی اکثر صحابہؓ کی امامت یہی فرماتے تھے کیونکہ انہیں اقراء (قرآن کریم کا سب سے بڑا عالم) سمجھا جاتا تھا۔ (19)

دوسرے بزرگ حضرت ابوحذیفہؓ ہیں جو حضرت سالمؓ کے مولیٰ تھے اور تاریخ اسلام میں چوالیسویں مسلمان

ہیں۔(20) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت کے علاوہ حضرت سالمؓ سے خصوصی تعلق کی بناء پر علم قرآن کریم کے معاملہ میں ان کے مقام بلند کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تیسرے صحابی حضرت زیدؓ بن الخطاب ہیں، جو حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی ہیں اور بالکل ابتداء میں اسلام لے آئے تھے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہوا کا جو بھی جھونکا چلتا ہے وہ مجھے زید بن الخطابؓ کی یاد دلاتا ہے۔ (21)

چوتھے بزرگ حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماسؓ ہیں وہ کاتبین وحی میں سے تھے (22) قرآن کریم سے ان کا خصوصی تعلق بالکل ظاہر ہے۔

ایک اور بزرگ حضرت عباد بن بشرؓ ہیں جو کہ بدری صحابی ہیں اور حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ انصاری صحابہ میں تین حضرات ایسے تھے جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے تمام دوسرے صحابہؓ پر فائق تھے ان تین حضرات میں ایک حضرت عباد بن بشرؓ بھی تھے۔ (23)

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ بھی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے جو مشہور صحابی ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم میں حضرت ابی بن کعبؓ جیسے قراء کے شاگرد ہیں۔(24) حضرت زید بن ثابتؓ کے بھائی حضرت یزید بن ثابتؓ، حضرت براء بن عازبؓ کے چچا حضرت قلیس بن الحارثؓ، حضرت معاذؓ کے بھائی عائذ بن ماعصؓ، حضرت زبیرؓ کے بھائی سائب بن عوامؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے صاحبزادے حضرت سائب بن عثمانؓ بھی اسی فہرست میں شامل ہیں۔

یہ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اٹھارہ (18) مہاجرین تھے اور انصار سے تقریباً بیس حضرات ایسے تھے جو غزوہ بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے علاوہ دس ایسے تھے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔ (25)

یہ تفصیل صرف ان شہداء کی ہے جن کے نام تاریخ میں محفوظ رہ چکے ہیں۔ باقی سینکڑوں نامعلوم افراد میں سے کتنے حافظ اور قاری ہوں گے؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ فریڈرک شالے (Schwally) بیل اور منٹگمری واٹ کو اس فہرست میں کوئی قاری

اور حافظ نظر نہیں آ رہا اور ان سب کو ''نو مسلم'' قرار دے رہے ہیں کیا یہ علمی تحقیق ہے؟

غور طلب بات یہ ہے کہ جس جنگ میں مہاجرین اور انصار کی اتنی بڑی جماعت شہید ہوگئی ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں سب نو مسلم شہید ہوئے تھے اور پھر اسی بناء پر صحیح بخاری کی جمع قرآن والی روایت کو غلط قرار دینا علم وتحقیق پر کتنا بڑا ظلم وستم ہے؟ اور انصاف و دیانت کے ساتھ کتنا بڑا فریب ہے؟

پھر بات یہ نہیں ہے کہ جنگ یمامہ میں تمام حفاظ صحابہؓ شہید ہوگئے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ جنگ یمامہ تو صرف ایک لڑائی تھی یہ زمانہ وہ تھا جبکہ اس طرح کی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور علماء صحابہؓ میں سے کتنے جانباز ایسے تھے جو یمامہ سے کہیں زیادہ خون ریز معرکوں میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے چین تھے۔ اس ماحول میں اگر حضرت عمرؓ کے دل میں قرآن کریم جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوگیا تو اس میں کونسی ایسی غیر معقول بات ہے، جس کی بناء پر صحیح بخاریؒ کی ایسی قوی روایت کو غلط قرار دیا جائے، (26) اصل بات یہ ہے کہ مستشرقین کا مقصد ہی چونکہ تشکیک پیدا کرنا ہے اس لئے ایسے ویسے شوشے چھوڑنے سے باز نہیں آتے جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی۔

3.5- دوسرا اعتراض

منٹگمری واٹ نے اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے سرکاری سطح پر کوئی نسخہ تیار کیا ہوتا تو اسے ایک (حجت) کی حیثیت حاصل ہوتی، حالانکہ اس زمانے کی روایتوں میں اس بات کا کوئی نشان نہیں ملتا کہ حضرت ابوبکرؓ کے اس سرکاری نسخے کے حوالے دیئے جاتے ہوں۔

اس اعتراض کی لغویت بھی محتاج بیان نہیں

کیونکہ اس نسخے کو (حجت) قرار دینے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ جب حضرت عثمانؓ نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں قرآن کے نسخے نقل کرا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے حضرت حفصہؓ سے وہی نسخہ طلب فرمایا جو حضرت ابوبکرؓ نے تیار فرمایا تھا۔

3.6 - تیسرا اعتراض

واٹ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اگر یہ کوئی سرکاری نسخہ تھا تو حضرت عمرؓ کے بعد یہ نسخہ خلیفہ وقت کے بجائے حضرت حفصہؓ کے پاس کیوں رہا؟

اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت کوئی خلیفہ معین نہیں تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کے دوسرے سامان کے ساتھ یہ نسخہ بھی حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل ہو گیا، کون ایسا صاحب عقل انسان ہو سکتا ہے جو محض اتنی سی بات کی وجہ سے ایسی مستند روایت ہی کو دریا برد کر ڈالے۔

3.7- چوتھا اعتراض

قرآن کریم کو صدیق اکبرؓ نے (معاذ اللہ) ضروری ترامیم اور اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

مستشرقین نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جمع قرآن کریم کو غلط رنگ دینے کی کوشش بھی کی ہے، وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر مشتمل ہے جس کو ابوبکر صدیقؓ نے مرتب کیا اور اس میں ضروری ترمیم واضافے کئے۔

یہ قرآن کریم پر بھی الزام ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ پر بھی، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام کو یاد کیا، آپؐ کے بے شمار صحابہ کرام نے بھی اسے حفظ کیا، ہر آیت کو نزول کے فوراً بعد لکھ لیا گیا۔

عہد رسالتؐ میں پورا قرآن کریم لکھا ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اور کئی صحابہ کرامؓ کے پاس بھی گھروں میں موجود تھا، حضرت صدیقؓ نے بہت حزم واحتیاط کے ساتھ اسے اس ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں جمع کر دیا جس ترتیب سے اسے پڑھا جاتا تھا۔ یہ مصحف مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی میں آپؓ کے پاس رہا، آپؓ کے انتقال کے بعد عمر فاروقؓ کے پاس محفوظ رہا اور ان کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔

4- حضرت عثمانؓ کے عہد میں کتابت قرآن کریم

اسلام کے جزیرہ عرب سے باہر نکلنے میں زیادہ وقت نہیں لگا، وہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی ان کیلئے بھی ضروری تھا کہ وہ قرآن کریم کو پڑھ لیں یا زبانی یاد کریں، اور قرآن کریم سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا اور سہولت کی خاطر تمام عربوں کو اپنے اپنے لہجوں میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، نومسلم مختلف اساتذہ سے قرآن کریم سیکھتے تھے، جب دو ایسے آدمی اکٹھے ہوتے جنہوں نے مختلف اساتذہ سے قرآن کریم پڑھا ہوتا تو ایسے اتفاقات پیش آ جاتے جب کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس سے مختلف لہجے میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنتا جو اس نے اپنے استاد سے پڑھا تھا عربی زبان کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ اس اختلاف کی نوعیت کو نہ سمجھ سکتے اور ہر شخص دوسرے شخص کی تغلیط کرنے لگتا۔

4.1- حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ کا مشاہدہ

جو لوگ بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے ان کو بھی اسی صورت حال سے واسطہ پڑتا، لہجوں کا یہ اختلاف کبھی کبھی طویل بحثوں اور جھگڑوں کی شکل اختیار کر لیتا، یہ صورت حال ایسی تھی جو کسی بھی وقت ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر سکتی تھی اس لئے اس کا حل تلاش کرنا لازمی تھا، ارمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے اس سنگین صورتحال کا مشاہدہ کیا وہ امیر المومنین عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

> ''ادرك الامة قبل ان یختلفوا اختلاف الیهود والنصاری (27)''اس امت کی دستگیری فرمایئے اس سے پہلے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح باہم اختلاف کرنے لگے۔''

اس صورتحال کا احساس اور صحابہ کرام کو بھی ہوا تھا اس صورتحال کا واحد حل یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ کو قرآن کریم کی ایک لغت پر جمع کر دیا جائے، یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ ابتدائے اسلام سے لوگ مختلف لہجوں میں قرآن کریم پڑھتے آ رہے تھے، مختلف صحابہ کرام کے پاس قرآن کریم کے جو مخطوطے محفوظ تھے وہ بھی ان کے اپنے اپنے لہجوں کے مطابق تھے۔

صدیق اکبرؓ نے جو مصحف تیار کروایا تھا اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ حفاظ کرام کثرت سے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، اسے مرتب کرتے وقت یہ مقصد پیش نظر نہ تھا کہ تمام لہجوں کو چھوڑ کر خلاف لغت قریش پر قرآن کو لکھ لیں۔

4.2- ان حالات سے نکلنے کے لئے حضرت عثمانؓ کا منصوبہ

اس صورت حال سے نکلنے کیلئے حضرت عثمانؓ نے دیگر صحابہ کرام کے مشورے سے، المصحف امام'' کا تصور پیش کیا، مطلب یہ تھا کہ لغت قریش جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا، اس کے مطابق قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کیا جائے اور ساری امت مسلمہ اسی نسخے کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کریں، اسی منصوبے کے لئے آپؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے وہ مصحف مبارک منگوایا جو حضرت صدیق اکبرؓ کی نگرانی میں تیار ہوا تھا پھر آپ نے چار صحابہ کرامؓ کو منتخب فرمایا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشامؓ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

ان حضرات میں زید بن ثابتؓ کے علاوہ باقی تمام کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، آپؓ نے ان حضرات کو حکم دیا کہ وہ مصحف صدیق کی مدد سے قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کریں اور اگر حضرت زید بن ثابتؓ اور تین قریشی اصحاب کے درمیان کسی لفظ پر اختلاف ہو تو قریشی حضرات کی رائے کے مطابق لکھیں کیونکہ قرآن حکیم ان ہی کی لغت کے مطابق نازل ہوا۔ ان حضرات نے حضرت عثمانؓ کے ارشاد کی تعمیل کی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شلبی لکھتے ہیں۔

"فلم یختلفوا فی شئ الا فی کلمة التا بوت، فقال زید تکتب بالهآء وقالو:تکتب بالتآء فعرضوا الأمرعلی عثمان فامر هم بکتابته بالتآء" (30)

''کلمہ ''تابوت'' کے سوا ان کا کسی لفظ پر اختلاف نہیں ہوا، اس لفظ کے بارے میں حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے تھی کہ اسے (ۃ) سے یعنی (تابوۃ) لکھا جائے جبکہ قریشی حضرات اس لفظ

کو (ت) سے ہی "تابوت" لکھنے کے قائل تھے، معاملہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے (ت) سے یعنی "تابوت" لکھنے کا حکم دیا"

4.3 - اس مصحف کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کردی گئیں

ان حضرات نے اس کمال احتیاط سے قرآن کریم کا جو نسخہ تیار کیا اس کو "المصحف الامام" کا نام دیا گیا اور پھر اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کر دی گئیں، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت عثمانؓ نے مختلف علاقوں میں صرف "المصحف الامام" کی نقلیں ہی نہیں بھیجیں بلکہ ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی روانہ فرمایا، جو لوگوں کو وجوہ قرأت سکھاتا۔ (29)

یہ مصاحف نقطوں اور اعراب کے بغیر تھے اس لئے ان میں تمام قراءات متواترہ کا احتمال تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی تھیں، بعد میں جب قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگائے گئے تو ساری امت ایک ہی قرأت پر جمع ہوگئی اور آج ساری دنیا میں قرآن کریم کی کتابت اور ترتیل میں کسی ایک لفظ کے اختلاف کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں رہا، حضرت عثمانؓ نے مختلف اطراف میں صحیفے اور قاری روانہ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ حکم نامہ بھی جاری فرمایا:

"انی قد صنعت کذا و کذا ومحوت ماعندی فامحوا ماعندکم" (30)

"میں نے امت مسلمہ کو ایک مصحف پر جمع کرنے کے لئے لغت قریش کے مطابق ایک نسخہ تیار کروایا ہے، اس کے علاوہ میرے پاس جو کچھ تھا اسے میں نے تلف کر دیا ہے لہٰذا تم بھی اس کے سوا جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کو تلف کرو" وتلقت الامۃ ذالک بالطاعۃ، (31)
ساری امت نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔"

جمع قرآن کریم کی تین مرحلوں میں جو کوششیں ہوئیں تینوں مراحل میں ایک ہی شخص یعنی زید بن ثابتؓ

اس عظیم منصوبے کے روح رواں تھے، ایک ہی آدمی نے مختلف ادوار میں جو کام کیا اس میں اختلاف کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے۔

مستشرقین اکثر ان کوششوں کو باہم متضاد ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں وہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم جمع نہیں ہوا تھا۔ اس کو عہد صدیقیؓ اور عہد عثمان میں جمع کیا گیا اور جامعین قرآن نے اس میں ضروری ترامیم اور اضافے کئے اور یہ بھی تاثر دینے کی کوشش میں ہوتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم غیر مرتب تھا اس کو بعد کے لوگوں نے ترتیب دیا، حالانکہ معمولی عقل وسمجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن کریم حفظ تھا اور وہ قرآن کریم کی اول سے آخر تک تلاوت بھی کرتے تھے، ظاہر ہے یہ دونوں کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن کریم مرتب نہ ہو، ہم نے گزشتہ صفحات میں جمع قرآن کے سلسلے علماء کا جو نقطہ نگاہ پیش کیا، ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذاہب اور ہم مسلک مستشرقین کے رویئے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی مدون ومرتب ہو چکا تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بعد میں ہم مستشرقین کے اعتراضات ذکر کریں گے۔

5- قرآن کریم کی مختلف قرأتوں پر اعتراضات

5.1- قرآن کریم کی مختلف قراءات کو غلط رنگ میں پیش کرنا

عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کی کتابیں تضادت سے پر ہیں ان کے مختلف فرقوں کے نزدیک بائبل کی کتابوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہیں۔ تاریخی بیانات اور اعداد وشمار کے اختلافات جابجا نظر آتے ہیں۔ ''مسٹر ہارن'' نے عہد نامہ جدید وقدیم میں اس قسم کے اختلافات کے اسباب یہ بتائے ہیں۔

ا: نقل کرنے والوں کی غلطی

۲: جس دستاویز سے نقل کی جا رہی ہے اس میں غلطیوں کا موجود ہونا۔

۳: کاتبوں کا کسی سند اور ثبوت کے بغیر متن کی عبارت میں اصلاح کی کوشش کرنا۔

۴: مختلف مذہبی فریقوں کا اپنے موقف اور مدعا کو ثابت کرنے کے لئے قصداً تحریف کرنا۔ (32)

مسٹر ہارن نے جو کچھ لکھا ہے اس کا عملی ثبوت ہمیں بائبل کے مختلف (Version) کے مطالعے سے جا بجا ملتا ہے، ایک زبان کی انجیل کچھ کہتی اور اس کا دوسری زبان میں ترجمہ کچھ اور کہتا ہے۔

مستشرقین قرآن کریم میں بھی اسی صورتحال کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں جن میں سے ایک حربہ قرآن کریم کی قراءات مختلف کو غلط رنگ میں پیش کرنے کا ہے، وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح بائبل کے مختلف (Version) ہیں اسی طرح یہ قرائتیں بھی قرآن کریم کے مختلف ورژن ہیں، جارج سیل کہتا ہے:

"Having mentioned the defferent editions of the Quran, it may not be amiss here to acquaint the reader, that there are seven principal editions, if I my so call them or ancient copies of the book, two of which were published and used at Madina, a third at Macca, a fourth at Cufa, a fifth at Basra, a sixth at Syria and seventh called the common or vulgar edition". (33)

"قرآن کریم کے ایڈیشنوں کا ذکر کرنے کے بعد قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ قرآن کریم کے ابتدائی ایڈیشن سات ہیں اگر ان کو ایڈیشن کہنا مناسب نہ ہو، ہم ان کو اس کتاب کی سات نقلیں کہہ سکتے ہیں۔ جن میں سے دو مدینہ میں شائع ہوئیں اور وہیں استعمال ہوتی تھیں، تیسری مکہ میں، چوتھی کوفہ میں، پانچویں بصرہ میں، چھٹی شام میں اور ساتویں نقل کو عام ایڈیشن کہہ سکتے ہیں۔"

5.2- اس اعتراض کا تنقیدی جائزہ

جارج سیل نے قرآن کریم کی یہ تاریخ کہاں سے اخذ کی ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، اس نے جن شہروں کے ساتھ قرآن کریم کے ایڈیشنوں کو منسوب کرنے کی کوشش کی ہے دور رسالت میں تو ان میں سے اکثر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

غالباً جارج سیل نے قرآن کریم کی سات قرأتوں اور حضرت عثمانؓ کے مختلف شہروں میں قرآن کریم کی نقلیں بھیجنے کے مختلف مضامین کو اکٹھا کر کے اپنے تخیل کے زور پر یہ افسانہ گھڑا ہے اور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ جس طرح رومن کیتھوک عیسائیوں کی بائیبل اور ہے اور پروٹیسٹنٹ عیسائیوں کی اور اسی طرح مدینہ کے مسلمانوں کا قرآن اور تھا مکہ کے مسلمانوں کا اور، بصرہ اور شام والوں کا کچھ اور، اور ایک قرآن ایسا بھی تھا جو عام تھا کسی کی تخصیص نہ تھی، اگر بفرض محال دورِ صحابہؓ میں ملت اسلامیہ میں اتنے مختلف قرآن مروج ہوتے تو آج تو ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، لیکن ہم جارج سیل صاحب کے پسماندگان کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کا چکر لگائیں دنیا کے تمام براعظموں کا سروے کریں۔ دنیا میں انہیں قرآن کریم کے کروڑوں نسخے ملیں گے، وہ ان نسخوں میں باہم اختلاف ثابت کریں۔ اگر آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد قرآن کریم ایک ہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دورِ صحابہؓ میں اس کے سات مختلف اصلی ایڈیشن موجود ہوں۔ (34)

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی مختلف قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھیں اور آج بھی وہ موجود ہیں، لیکن ان کی نوعیت وہ نہیں جو مستشرقین ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم ذیل میں اختلاف قراءات کی ایک مثال ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ط" (35) اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے (اپنا) ایک بیٹا، پاک ہے وہ (اس تہمت سے)

ابن عامر نے اس کو بغیر واؤ کے " قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ "پڑھا ہے لیکن جمہور قراء نے اس کو واؤ کے ساتھ پڑھا ہے، جو حضرات بغیر واؤ کے پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہاں سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے اور جو اس کو واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا اپنے ماقبل پر عطف ہے،(36) دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی رہتا ہے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔

یہاں معانی میں تضاد کی کوئی گنجائش نہیں، قراءات کے اس اختلاف کا اس تناقض سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم میں ہے۔

5.3- تورات کے تناقض کی ایک مثال کتاب التواریخ دوم کے باب اکیس اور بائیس میں ملاحظہ کریں

باب اکیس بتاتا ہے کہ "یورام" فوت ہوا تو اس کی عمر چالیس سال تھی، لیکن باب بائیس بتاتا ہے کہ "یورام" کی موت پر اس کا بیٹا "اخزیا" تخت نشین ہوا اور تخت نشینی کے وقت اس کی عمر بیالیس سال تھی، گویا بیٹا باپ سے دو سال بڑا تھا۔ (37)

پھر "نیو ورلڈ بائبل ٹرانسلیشن کمیٹی" نے ۱۹۷۱ء کی نظر ثانی کے مطابق نیو یارک سے ۱۹۸۱ء میں بائبل کا جو ایڈیشن شائع کیا ہے اس کی کتاب التواریخ الثانی کے بائیسویں باب میں "اخزیا" کی تخت نشینی کے وقت اس کی عمر بائیس سال بتائی گئی ہے۔

بیالیس کا ترجمہ کر کے بائیس بنا دینا یہود و نصاریٰ اور مستشرقین کے لئے بہت معمولی بات ہے ان کے اس ترجمے یا اصلاح سے بیٹے کے باپ سے بڑا ہونے والی الجھن تو دور ہو جاتی ہے لیکن یہ الجھن باقی رہتی ہے کہ جس نسخے میں تخت نشینی کے وقت "اخزیا" کی عمر بیالیس سال بتائی گئی ہے وہ ٹھیک ہے یا جس میں اس کی عمر بائیس سال بتائی گئی ہے وہ ٹھیک ہے۔

ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں جس قسم کے اختلاف ہیں اگر اختلاف قراءات کا مطلب وہی ہے تو خدا کے فضل وکرم سے قرآن کریم اس قسم کے اختلاف قراءات سے پاک ہے۔ قرآن کریم میں قرأت کا جو معمولی سا اختلاف ہے ان کو بھی عام مسلمانوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ وہ قراءات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اقرأني جبريل علىٰ حرف فرا جعتهٗ فلم ازل استز يده ويزيدني حتىٰ انتهى الى سبعه احرف"

"حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے قرآن کریم پڑھ کر سنایا میں نے دوبارہ پڑھنے کے لئے کہا، انہوں نے دوبارہ پڑھا، میں قرأتوں میں اضافے کے لئے کہتا رہا اور وہ اضافہ کرتے گئے، حتیٰ کہ معاملہ سات قرأتوں تک پہنچ گیا۔

تمام عربوں کی زبان ایک تھی لیکن ان کے لہجوں میں اختلاف تھا کسی عربی کے لئے چونکہ دوسرے عربوں کے لہجے کے مطابق قرآن پڑھنا مشکل تھا اس لئے ابتداء میں ہر ایک کو اپنے اپنے لہجے میں پڑھنے کی اجازت تھی

ذکریا ہاشم "المستشرقون والاسلام" میں لکھتے ہیں:

"ولقد كان للقرآن لهجات عربية نسخت كلها بعد تمام نزول القرآن وكانت العرضة الاخير ة علىٰ جبريل بلغة واحدة واللغة الواحدة تحتمل قراءات القرآن المتواترة كلها" (38)

"ابتداء میں قرآن کریم مختلف عربی لہجوں میں پڑھنے کی اجازت تھی، لیکن جب نزول قرآن کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو ایک کے علاوہ وہ باقی تمام لہجے منسوخ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبرائیل امین نے قرآن کریم کا جو آخری دور کیا تھا وہ ایک ہی لہجے کے مطابق تھا اور ایک لہجہ کے اندر بھی تمام متواتر قرأتوں کا احتمال موجود تھا۔"

عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے اختلافات سے قرآن کریم کے اختلاف قراءات کی کوئی نسبت نہیں، بائبل کے اختلاف نے ملت عیسوی کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور قرآن کریم کی مختلف قرأتوں نے ہر قسم کے حالات میں مسلمانوں کے لئے فکر کی نئی راہیں کھولی ہیں، ملت کے ائمہ نے اختلاف قراءات سے مختلف احکام اخذ کئے ہیں، بعض قراءتیں دوسری قرأتوں کا بیان اور تفصیل ثابت ہوئی ہیں اور یہ بھی قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے کی دلیل ہے کہ سات قرأتوں میں سے جو بھی قرأت کی جائے قرآن کریم کی شان اعجاز اسی طرح قائم رہتی ہے۔

6- یہ اعتراض کہ مختلف قراءتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانیؓ کو پڑھنے میں لوگوں کا جو اختلاف ہوا، اس کی بناء پر پیدا ہوئیں

مستشرقین کی ایک بڑی جماعت قراءات کے معاملے میں ایک دوسرا گمراہ کن نظریہ پیش کیا ہے، نولدیکی گولڈ زیہر اور آرتھر جیفری وغیرہ نے لکھا ہے کہ

> ''قرأتوں کا اختلاف درحقیقت سماعی نہیں تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے جو نسخے تیار کرائے تھے ان پر نقطے اور حرکات نہیں تھے، اس لئے اسے مختلف طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا، چنانچہ جس شخص نے جس طرح چاہا اپنے اجتہاد سے پڑھ لیا اور وہ اس کی قراءت بن گئی۔'' (41)

مستشرقین کے اس دعوے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو مختلف قرأتیں معروف ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ مصاحف عثمانی کو پڑھنے میں لوگوں کا جو اختلاف ہوا اس کی بناء پر پیدا ہوئی ہیں۔

یہ دعویٰ صراحۃً بے بنیاد اور بالکل غلط ہے واقعہ یہ ہے کہ مصاحف عثمانی کا نقطوں اور حرکات سے خالی ہونا قرأتوں کے وجود میں آنے کا سبب نہیں بنا، بلکہ ان مصاحف عثمانی کو نقطوں اور حرکات سے جان بوجھ کر اس لئے خالی رکھا گیا تھا کہ قرآن کریم کی جتنی قرأتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہ سب اس رسم الخط میں سما سکیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور میں قرآن کریم کی کسی قرأت کو قبول کرنے کے لئے تین شرائط کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

۱: ایک یہ کہ مصاحف عثمانیؓ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

۲: عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہو۔

۳: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔

اگر قرأتوں کے وجود میں آنے کا سبب محض عثمانی رسم الخط ہوتا تو ہر اس قراءات کو درست مان لیا جاتا تو جو رسم الخط میں سما جاتی اور اسے قبول کرنے کیلئے یہ تیسری شرط عائد نہ کی جاتی، چنانچہ جو شخص بھی قرآن کریم کی مختلف قرأتوں پر غور کر چکا اسے کھلی آنکھوں نظر آ جائے گا کہ رسم الخط میں ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش موجود تھی لیکن چونکہ وہ طریقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تھے اس لئے انہیں اختیار نہیں کیا گیا، یہ بات دو مثالوں سے واضح ہوگی۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَّ لَايُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ"

یہاں ایک قرأت میں ولا تقبل (یاء کے ساتھ) اور ایک قرأت میں لا تقبل (تاء کے ساتھ) لیکن اس قسم کی ایک آیت سورۃ بقرہ میں دوسری جگہ ان الفاظ کے ساتھ آتی ہے۔

" وَّ لا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لاهُمْ يُنْصَرُوْنَ" یہاں لا تنفعھا صرف تاء کے ساتھ آیا ہے، لا ینفعھا (یاء کے ساتھ) کوئی قرأت نہیں ہے، حالانکہ رسم عثمانی میں لا ینفعھا کی بھی گنجائش ہے کیونکہ عثمانی مصاحف میں یہ جملہ اس طرح لکھا ہوا تھا "لا تنفعھا" اور عربی زبان کے قواعد میں بھی یاء اور تاء دونوں کی گنجائش موجود تھی، لیکن چونکہ یہ قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تھی، اس لئے اس کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا اسی طرح سورۃ یاسین میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"

یہاں ایک قرأت میں فَيَكُوْنُ (نون پر پیش کے ساتھ) آیا ہے اور دوسری قرأت میں فَيَكُوْنَ (نون پر زبر کیساتھ) لیکن اسی طرح کی ایک آیت سورۃ آل عمران میں ہے۔"اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ " یہاں صرف ایک ہی قرأت ہے (یعنی نون پر پیش) دوسری قرأت رسم الخط کی گنجائش کے باوجود کسی نے اختیار نہیں کیا۔(40)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قراءات رسم الخط سے وجود میں نہیں آئیں، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مصاحف کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا تھا۔

لہٰذا مستشرقین کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور غلط ہے کہ قراءات مصاحف عثمانی، میں نقطوں اور حرکات کی غیر موجودگی سے پیدا ہوئی ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قراءات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طریقے پر ثابت ہیں اور ان کی محفوظ کرنے کے لئے حضرت عثمان نے اپنے مصاحف کو نقطوں اور حرکات سے خالی رکھا تھا تاکہ یہ تمام قراءات ان کے رسم الخط میں سما سکیں۔

6.1- قرآن کریم کی شاذ قرأتیں اور ان کی حقیقت

گولڈ زیہر اور آرتھر جیفری اور دوسرے مستشرقین نے شاذ قرأتوں کی بہت سے مثالیں پیش کر کے ان سے من مانے نتائج نکالے ہیں۔(41) اور ان قرأتوں کو بنیاد بنا کر غلط مفروضات اخذ کئے ہیں، یہاں پر ان تمام

مثالوں کو پیش کر کے ان کی حقیقتوں کو واضح کرنا تو مشکل ہے اس لئے کہ اس کام کے لئے پوری کتاب درکار ہوگی لیکن یہاں پر ہم شاذ قرأتوں کے بارے چند اصول ذکر کرتے ہیں ۔وہ اصول ہم نے مولانا تقی عثمانی کی کتاب ''علوم القرآن'' سے لئے ہیں جن کو مدنظر رکھنے کے بعد مستشرقین کے ان تمام باطل نظریات کی تردید اچھی طرح سمجھ میں ... جو انہوں نے شاذ قراءتوں کی بنیاد پر قائم کی ہیں۔

6.2- معتبر قراءتیں

وہ قراءتیں معتبر ہیں جن میں تین شرائط پائی جائیں۔

۱: وہ قرأت جو مصاحف عثمانی میں سما سکیں۔

۲: عربی قواعد سے مطابق ہوں

۳: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پڑھنا متواتر طریقے سے ثابت ہو، یا کم از کم علماء قراءات میں مشہور و معروف ہو۔

جس قرأت میں ان تین شرائط میں سے کوئی ایک مفقود ہو وہ شاذ قرأت کہلاتی ہے اور پوری امت میں سے کسی نے اسے معتبر نہیں مانا، ان شاذ قرأتوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جاتی ہے۔

۱: بعض اوقات وہ قراءات بالکل موضوع ہوتی ہے، جیسے کہ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی کی قرأتیں جن کو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا ہے امام دار قطنیؒ اور تمام علماء نے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ یہ تمام قرأتیں موضوع ہیں۔ (42)

۲: بعض اوقات ان کی سند ضعیف ہوتی ہے جیسے ابن السمیفع اور ابو السمال کی قرأتیں(43) یا بہت سی وہ قرأتیں جو ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں مختلف صحابہؓ وتابعینؒ سے منسوب کی ہیں۔

۳: بعض اوقات سند صحیح ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ قرآن کریم کی قراءات نہیں ہوتی بلکہ کوئی صحابی یا تابعی عام گفتگو میں قرآن کریم کے کسی لفظ کی تشریح کے لئے اس کے ساتھ دو ایک لفظ بڑھا دیتے ہیں قرآن کریم چونکہ پورے کا پورا متواتر تھا اور ہر دور میں اس کے ہزاروں حفاظ موجود تھے اس لئے ان الفاظ کے اضافہ سے قرآن کریم کے متن میں اضافے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، لہٰذا اس قسم کی تشریحات میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔ (44)

مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ انہوں نے ''ولہ اخٌ او اُختٌ مِن ام'' پڑھا، اس میں ''مِنْ اُمٍ'' کا لفظ تفسیری اضافہ تھا۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آیت اس طرح پڑھی: ''وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''

(45)

اس میں ''وَيَسْتَعِيْنُوْنَ اللهَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ'' بلاشبہ تفسیری اضافہ ہے کیونکہ اگر یہ جملہ حضرت عثمانؓ کی قرأت میں واقعتاً قرآن کا جز ہوتا تو ان کے مرتب کردہ مصحف میں ضرور ہوتا، حالانکہ ان کے مرتب فرماتے ہوئے سات مصاحف میں کسی میں یہ جملہ نہیں، شاذ قرأتوں میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۴: بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قرآن کریم کی بعض قرأتیں آخر میں منسوخ ہوگئیں، لیکن کسی صحابی کو ان کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا، اس لئے وہ قدیم قرأت کے مطابق پڑھتے رہے۔ (46) لیکن چونکہ دوسرے تمام صحابہؓ جانتے تھے کہ قرأت منسوخ ہو چکی ہے اس لئے وہ نہ اسے پڑھتے تھے اور نہ قرآن کریم کی صحیح قرأتوں میں شمار کرتے تھے۔

۵: بعض شاذ قرأتوں کو دیکھ کر ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ کسی وقت کسی تابعی وغیرہ نے قرآن کریم کی تلاوت

میں کوئی بھول چوک ہوگئی جیسا اکثر بڑے بڑے حافظوں سے ہوتی ہے اس وقت کسی سننے والے نے سن کر اسے روایت کر دیا۔" (47)

قرآن کریم کی جتنی شاذ قرأتیں منقول ہیں وہ زیادہ تر انہی پانچ صورتوں میں دائر ہیں ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں ان قرأتوں کو معتبر قرار دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ امت نے کسی بھی دور میں انہیں قابل اعتبار نہیں سمجھا اور اسی لئے یہ قرأتیں متواتر تو کیا ہوتیں مشہور بھی نہ ہوسکیں۔

لہٰذا ان کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے جو یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن کے متن میں کچھ اختلافات پائے جاتے تھے یہ ایسا بے بنیاد اور لغو خیال ہے جو علم وتحقیق کے اعتبار سے قابل غور بھی نہیں ہے۔

7: معوذتین کی قرآنیت اور مستشرقین کے اعتراضات

اکثر مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن کریم کی زبان اور اسلوب انسانی اسلوب سے ممتاز ہیں اور کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کی مثل ایک یا چند سورتیں بنا کر پیش کر سکے، وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ بھی قرآن کریم کی زبان کو عربی ادب کی عام زبان سے ممتاز نہیں سمجھتے تھے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین (سورہ الفلق اور سورہ الناس) کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ (48)

مستشرقین کو اس اعتراض کا موقعہ بعض کتب تفسیر اور کتب حدیث سے مل گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے، وہ ان سورتوں کو قرآن سے کھرچ دیتے تھے، سیوطیؒ الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔

"اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ وَالطَّبْرَانِیُّ وَابْنُ مَرْدَوَیْۃَ مِنْ طُرُقٍ صَحِیْحَۃٍ عَنِ

ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ كَانَ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ وَيَقُوْلُ لَاتَخْلِطُوا الْقُرْآنَ بِمَا لَيْسَ مِنْهُ اِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِنَّمَا اَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ يَتَعَوَّذَ بِهِمَا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَا يَقْرَءُ بِهِمَا" (49)

"احمد، بزاز، طبرانی اور ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کو مصحف مبارک سے محو کردیا کرتے تھے اور فرماتے تھے قرآن کریم کو ان چیزوں سے خلط ملط نہ کرو جو قرآن کا حصہ نہیں ہیں، یہ قرآن کا حصہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو محض یہ حکم دیا ہے کہ ان کے ذریعے پناہ مانگی جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان سورتوں کی قرأت نماز میں نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت صحیحہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ان سورتوں کو قرآن کریم کا جز نہیں سمجھتے تھے، امام نووی شرح المہذب میں فرماتے ہیں۔

"اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ وَالْفَاتِحَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَاَنَّ مَنْ جَحَدَ مِنْهَا شَيْأً كَفَرَ وَمَا نُقِلَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ بَاطِلٌ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ" (50)

"مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو ان میں سے کسی کی قرآنیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اس سلسلے میں جو باتیں حضرت ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ باطل ہیں، صحیح نہیں ہیں"

ذیل میں ہم چند احادیث طیبہ نقل کرتے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ صحابہ کرامؓ کو ان سورتوں کے قرآن کریم کا جز ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔

''اَخرَجَ ابنُ مَردویه عَنْ اُمِّ سَلَمَة قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَحَبِّ السُّوَرِ اِلَیَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس'' (51)

''ابن مردویہ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے لئے محبوب ترین سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔''

''اخرج ابن مردویه عن معاذ ابن جبلٍ قال كنت مع رسول اللّٰه ﷺ فی سفر فصلّی الغداة فقرء فیھا بالمعوذتین ثم قال یا معاذ ھل سمعت قلت نعم قال ماقرء الناس بمثلھن'' (52)

''ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں میں سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے فجر کی نماز ادا فرمائی اور نماز میں آپ نے معوذتین کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا، یامعاذ کیا تم نے سنا؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا لوگوں نے ان کی مثل کوئی چیز نہیں پڑھی۔''

۔ سید قطب اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''وکان ابن مسعود لایثبتهما فی مصحفه ثم تاب الی رأی الجماعة وقد اثبتهما فی المصحف'' (53)

''حضرت بن مسعودؓ ابتداء میں معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے امت کی اجتماعی رائے کی طرف رجوع کیا اور ان دونوں سورتوں کو اپنے مصحف میں بھی درج کیا۔''

7.1- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ معوذتین کے قرآنیت کے قائل تھے؟

یہاں یہ بھی قابل غور بات ہے کہ خود ابن مسعودؓ سے اس مفہوم کی کئی احادیث مروی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ معوذتین کے قرآنیت کے قائل تھے مثلاً:

''اَخْرَجَ الطَّبْرَانِی عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیُّ ﷺ سُئِلَ عَنْ هَاتَیْنِ السُّوْرَتَیْنِ فَقَالَ قِیْلَ لِیْ، فَقُلْتُ فَقُوْلُوا کَمَاقُلْتُ'' (54)

''طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سورتوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے بارگاہ خداوندی سے یہی کہنے کا حکم ملا سو میں کہتا ہوں لہٰذا تم بھی کہو۔''

اس طرح ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

''اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَ وْسَطِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ عَلَیَّ اٰیَاتٌ لَمْ یُنْزَلْ عَلَیَّ مِثْلُهُنَّ الْمُعَوَّذَتَیْنِ'' (55)

''طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعودؓ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل آیات مجھ پر (پہلے) نازل نہیں ہوئیں اور وہ آیات معوذتین ہیں۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث روایت کر رہے ہیں تو پھر اس شبہ کی گنجائش کیا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کریم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔

7.2- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پوری امت کی طرح معوذتین کو قرآن کریم کا جز قرار دیتے تھے اور جن روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان دو سورتوں کو قرآن کریم کے جز ہونے کے قائل نہ تھے وہ درست نہیں۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں قراءات عشرہ سے حضرت عاصمؒ کی قرات حضرت ابوعبدالرحمان سلمیؒ حضرت زر بن حُبیشؒ اور حضرت ابوعمرو الشیبانیؒ سے منقول ہے اور یہ تینوں حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ (56)

اسی طرح حضرت حمزہؒ کی قرأت علقمہؒ، اسودؒ، ابن وھبؒ، مسروقؒ، عاصم بن حمزہؒ اور حارثؒ سے منقول ہے اور یہ تمام حضرات اسے (معوذتین) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ (57)

اس کے علاوہ قراءات عشرہ میں سے کسائیؒ، اور خلفؒ کی قراءتیں بھی بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ختم ہوتی ہیں، کیونکہ کسائیؒ حمزہؒ کے شاگرد ہیں اور خلفؒ ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ قراءاتِ عشرہ کی ساری اسانید دنیا میں سب سے زیادہ قوی اور صحیح اسانید ہیں اور نسلاً بعد نسل تواتر سے نقل چلی آرہی ہیں اس لئے اگر کوئی خبر واحد ان متواتر قرأتوں کے خلاف ہو تو وہ یقیناً واجب الردّ ہے اور اسے قبول نہیں کیا سکتا۔

اسی بناء پر محقق علماء کی اکثریت نے ان روایتوں کو ضعیف اور موضوع یا کم از کم ناقابل قبول بتایا ہے، جو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف یہ بات منسوب کرتی ہیں، ان علماء میں شیخ الاسلام، علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزمؒ امام

رازیؒ قاضی ابوبکر بن عربیؒ، علامہ بحر العلومؒ شامل ہیں۔ (59)

7.3- یہ اعتراض کہ بعض علماء نے ابن مسعودؓ کی معوذتین کی قرآنیت کی انکار والی روایت کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ نور الدین الہیثمیؒ نے تصریح کی ہے کہ ان روایتوں کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

پھر ان روایتوں کو غیر صحیح کیسے کہا جا سکتا ہے؟

7.4- اس اعتراض کا جواب

جو حضرات علم حدیث سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کوئی علت یا شذوذ نہ پائے جائے۔

7.5- صحیح حدیث کی تعریف

تمام محدثین نے "حدیث صحیح" کی تعریف میں یہ بات لکھی ہے کہ وہ روایت ہر قسم کی علت اور شذوذ سے خالی ہو، چنانچہ اگر کسی روایت میں کوئی علت یا شذوذ پایا جائے تو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اس کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حافظ ابن الصلاحؒ اپنی مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"پس حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت معلوم ہوتی ہو جو اس حدیث کی صحت کو مجروح کرتی ہو اور یہ "علت" اس سند میں بھی واقع ہو جاتی ہے جس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں،

اور جس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں، اور اس علت کا ادراک علم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، کبھی راوی کو منفرد دیکھ کر اور کبھی یہ دیکھ کر کہ وہ راوی کسی دوسرے راوی کی مخالفت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ کبھی دوسرے قرآئن بھی مل جاتے ہیں۔" (59)

اسی طرح حدیث کی ایک قسم شاذ ہے اس کے راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے ان کی حدیث قبول نہیں کی جاتی، لہٰذا جن روایتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کا جزء نہیں مانتے تھے علامہ نوویؒ اور ابن حزم ؒ وغیرہ نے ان کو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود مندرجہ ذیل تین وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔

۱: یہ روایتیں معلول ہیں اور ان کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ان قراءتوں کے خلاف ہیں جو ان سے بہ طریق تواتر منقول ہیں۔

۲: مسند احمد کی وہ روایت جس میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ صریح قول نقل کیا گیا ہے "اَنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" (معوذتین اللہ تعالیٰ کی کتاب کا جز نہیں ہیں) صرف عبدالرحمان بن یزید نخعیؒ سے منقول ہے اور کسی نے صراحۃً ان کا یہ جملہ نقل نہیں کیا (60) اور متواترات کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جملہ یقیناً شاذ ہے اور محدثین کے اصول کے مطابق "حدیث شاذ" مقبول نہیں ہوتی۔

۳: اگر بالفرض ان روایتوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی بہرحال یہ اخبار احاد ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو خبر واحد متواترات اور قطعیات کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی صحت قطعی ہے، لہٰذا ان کے مقابلے میں یہ اخبار احاد یقیناً واجب الرّد ہیں۔

7.6- یہ اعتراض کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو ان ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیوں روایت کر دی؟

مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ:

''ان روایتوں کی حقیقت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کو قرآن کا جزّ مانتے ہیں، لیکن کسی وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا، اس واقعہ کو روایت کرتے ہوئے کسی راوی کو وہم ہوا، اور اس نے اسے اس طرح روایت کر دیا، گویا وہ انہیں سرے سے جزء قرآن ہی نہ مانتے تھے حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہ معوذتین کو جزء قرآن کریم ماننے کے باوجود انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا اور نہ لکھنے کی وجوہ بہت سی ہوسکتی ہیں، مثلاً معوذتین کو اس لئے نہیں لکھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ یہ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں۔'' (61)

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی اور امام ابوبکر الانباریؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، اگر میں سورہ فاتحہ لکھتا تو اسے ہر سورۃ کے ساتھ لکھتا، امام ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ہر سورۃ سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اس لئے میں نے اسے نہ لکھ کر اختصار سے کام لیا اور مسلمانوں کے حافظے پر اعتماد کیا۔'' (62)

ان جوابات کے بعد مستشرقین کے اس اعتراض میں کوئی جان باقی نہیں رہتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن کریم کا جزء نہیں مانتے تھے۔

خود آزمائی

1- علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا ایک تفصیلی علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیجیے۔

2- مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب قلم بند کیجیے کہ عہد رسالت میں حفاظ کی تعداد صرف چار تھی۔

3- مستشرقین کے جمع قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیجیے۔

4- خلافت صدیقیؓ میں کتابت قرآن کی روایت پر مستشرقین کے اعتراض کا جواب قلم بند کیجیے۔

5- قرآن کریم کی شاذ قرأتوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6- معوذتین کی قرآنیت پر مستشرقین کے اعتراضات پر ایک مفصل علمی و تنقیدی جائزہ قلم بند کیجیے۔

حوالہ جات

:1

:2 فتح الباری، ج۹، ص۴۱، ۴۲، باب القرا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

:3 الاستشراق والخلفية للصراع الحضاری، ص۱۱۰

4: Islam, Muhammad and His Religion Page: 47

:5 ایچ اے آر گب "اسلام" دی انسائیکلو پیڈیا آف لونگ فیتھ، ایڈیٹ بائی آر سی: رائز (ہاچنسن گروپ ساؤتھ افریقہ، ص ۱۶۸

:6 سورۃ طٰہٰ:۱۱۴

:7 الشلبی، اصول الفقہ الاسلامی، ج ا، ص ۹۳، دارالفکر، بیروت

:8 سورۃ القیامۃ:۱۶......۱۹

:9 الشلبی، اصول الفقہ الاسلامی، ج ا، ص ۹۳

:10 مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، بیروت، ص ۱۱۹

:11 فتح الباری، ج۹، ص ۴۱، باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

:12 مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۲۱

:13 ایضاً

14: مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۲۶

15: ایضاً

16: Watt: Bell's , Introduction to the Quran, Page: 40-42, Edinburgh 1970

17: تاریخ الطبری، ج ۲، ص ۵۱۶

18: البدایة ولنهایة ، ج ٦، ص ۳۴۰

19: الاستیعاب ، لابن عبدالبر علی هامش الاصابة، ج ۲، ص ۲۸، ۲۹

20: الاصابة ، للحافظ ابن حجر، ج ٦، ص ۳۴

21: البدایة ولنهایة ، ج ٦، ص ۳۳٦

22: زادالمعاد، ج ۱، ص ۳۰، معبنہ مصر

23: الاصابة ، ج ۲، ص ۲۵۵

24: ایضاً

25: الکامل ، لابن الثیر، ج ۲، ص ۱۴۰ اور البدایة والنهایة، ج ٦، ص ۳۴

26: مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۲۲۹

27: مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۲۹

28: الشلبی ، اصول الفقه الاسلامی، ج ۱، ص ۹٦

29: ایضاً

:30 مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۳۰

:31 ایضاً

:32 سرسید احمد خان، سیرت محمدیؐ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۳۸۴

:33 The Koran, Page: 45

:34 ضیاء النبی، ج ۶، ص ۴۵۷

:35 البقرۃ: ۱۱۶

:36 افتراء ات المستشرقین علی الاسلام، ص ۲۴

:37 ایضاً

:38 زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام، ص ۱۱۵

:39 مذاہب التفسیر الاسلامی، گولڈ زیہر، ترجمہ عربی ڈاکٹر عبدالحلیم النجار، ص ۸، مکتبۃ الخانجی القاہرہ

:40 علامہ طاہر کردی، تاریخ القرآن، ص ۱۴۸، بحوالہ علوم القرآن، مولانا تقی عثمانی

:41 گولڈ زیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص ۹ اور

Arthur Jeffery, Marterial for the History of the Text of the Quran, Leiden 1939, Page: 6

:42 النشر فی القراء ات العشر لابن لجزریؒ، ج ۱، ص ۱۶، الاتقان للسیوطی ج ۱، ص ۷۹

:43 ایضاً

:44 ایضاً

:45 کنز العمال، ج ۱، ص ۲۸۶

46: الطحاوی، مشکل الآثار، ج ۲، ص ۱۹۶ تا ۲۰۲

47: النشرفی القراء ات العشر لابن الجزری، ج ۱، ص ۱۶

48: Watt, W. Montgomery: Bell's, Introduction to the Quran
Page: 4

49: السیوطی "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" ج ۶، ص ۴۱۶

50: الاستشراق والخلفیة الفکریة للصراع الحضاری، ص ۱۱۳

51: السیوطی، الدر المنثور، ج ۶، ص ۲۱۶

52: ایضاً

53: سید قطب "فی ظلال القرآن" ج ۸، ص ۸۰۷، دار الحیاء التراث العربی، بیروت

54: السیوطی، الدر المنثور، ج ۶، ص ۴۱۶

55: ایضاً

56: النشر فی القراء ات العشر لابن الجزری، ج ۱، ص ۱۵۶

57: فیض الباری، ج ۱، ص ۲۶۲

58: الاتقان للسیوطی، ج ۲، ص ۸۱، المحلی لابن حزم، ج ۱، ص ۱۳، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت از بحر العلوم، ج ۲، ص ۱۲

59: مقدمہ فتح الملہم، ج ۱، ص ۵۴، مجمع الزوائد للھیثمی، ج ۷، ص ۱۴۹

60: مجمع الزوائد للھیثمی، ج ۷، ص ۱۴۹

61: علوم القرآن، ص ۲۲۶

62: تفسیر القرطبی، ج ۱، ص ۱۱۴، ۱۱۵

یونٹ نمبر......4

علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۲)

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظر ثانی

عبدالحمید خان عباسی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

نسخ کا قاعدہ صرف شریعت محمدی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی موجود رہا، مستشرقین قرآن کریم اور اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کے تضادات کو جواز مہیا کرنے کے لیے نسخ کا اصول وضع کیا ہے اعجاز القرآن پر بھی مستشرقین کے کچھ اعتراضات ہیں، بعض قرآنی واقعات پر بھی انہوں نے شک کا اظہار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعات اہل کتاب کے کسی عالم سے سنے تھے۔

اس یونٹ میں نسخ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ، نسخ کا مفہوم اور حکمت، اعجاز القرآن، قرآن کریم کا اسلوب اور بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور آخر میں مزید مطالعہ کے لیے حوالہ جات کا فہرست بھی شامل کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱: نسخ پر مستشرقین کے اعتراضات جان سکیں۔

۲: نسخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جان سکیں۔

۳: نسخ کی حکمت اور اصول جان سکیں۔

۴: یہ جان سکیں کہ نسخ کا اصول شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی موجود رہا۔

۵: اعجاز قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۶: بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

۷: اعجاز قرآن کریم اور اسلوب قرآن کریم پر بحث کر سکیں۔

علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ (۲)

علوم القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ یونٹ نمبر 3 میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے اور اب ان کے کچھ اعتراضات ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1- نسخ پر اعتراضات

2- اعجاز قرآن کریم پر مستشرقین کے شکوک

3- بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات

1- نسخ پر اعتراضات

مستشرقین قرآن کریم اور اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کے تضادات کو جواز مہیا کرنے کیلئے نسخ کا اصول وضع کیا ہے اور مسلمان یہ کہہ کر اس اعتراض سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ قرآن کریم میں تضاد نام کی کسی شے کا وجود نہیں، بظاہر جن آیات میں تضاد نظر آتا ہے وہ باہم متضاد نہیں بلکہ ان کا آپس میں تعلق ناسخ اور منسوخ کا ہے۔

مستشرقین یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے تضادات کو رفع کرنے کا یہ طریقہ کار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا تھا۔

1.1- جارج سیل کا اعتراض

جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھتا ہے:

''قرآن میں کچھ آیات ایسی ہیں جو باہم متضاد ہے، مسلمان علماء نسخ کے اصول کے ذریعے ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تدارک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ احکام صادر کیے جن کو بعد میں معقول وجوہات کی بناء پر منسوخ کر دیا گیا'' (1)

مستشرقین یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ نسخ کا لفظ نظر ثانی کے مترادف ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کریم میں ترمیم و اضافہ کرتے تھے اور قرآن کریم کی ترتیب کو نئی شکل دیتے تھے منٹگمری واٹ کا اس سلسلے میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

1.2- منٹگمری واٹ کا اعتراض

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ عقیدہ کہ ان کے پاس وحی خدا کی طرف سے آتی ہے ان کو مواد کو ترتیب نو دینے اور بالالفاظ دیگر حذف و اضافے کے ذریعے اس میں ترمیم کرنے سے باز نہیں رکھتا تھا، قرآن کریم میں کچھ حوالے ایسے ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ آیات بھلوا دیتا تھا، متن کے بغور مطالعہ سے یہ بات تقریباً یقینی ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے کچھ الفاظ اور آیات کا بعد میں اضافہ کیا گیا، البتہ اس قسم کے اضافوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تالیف نہیں کہا جائے گا، یہاں بات فرض کی جا سکتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود تھا کہ جب ان کو قرآن کے کسی حصے میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ وحی کے الفاظ سن لیتے تھے لیکن وہ وحی کے بغیر ترمیم نہیں کرتے تھے، روایت پسند مسلمانوں نے اس بات کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم کی کچھ آیات جن میں مسلمانوں کیلئے کچھ قوانین بیان ہوئے تھے وہ بعد کی آیات کے ذریعے منسوخ ہو گئے۔'' (2)

منٹگمری واٹ کے اس اقتباس سے تاثر ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں ترمیم واضافہ یا نظر ثانی کرتے تھے، لیکن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تاثر دیتے تھے کہ یہ ترمیمات اپنی طرف سے نہیں بلکہ جب آپ کسی مقام پر ترمیم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ منبع وحی سے رابطہ کر لیتے ہیں اور وحی کے ذریعے قرآن میں ترمیم کر دیتے ہیں۔

منٹگمری واٹ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر حقیقت یہی ہو تو پھر قرآن کریم کو کلام خداوندی ماننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ منٹگمری واٹ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس پر قرآن خود بھی شاہد ہے اور مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ غلط ہے، قرآن کریم نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا مصنف قرار دیتا ہے اور نہ ہی اس کی ترتیب اور اس میں نسخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی طرف منسوب کرتا ہے اور روایت پسند مسلمان اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں جس کا قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے نسخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نظر ثانی قرار دینا نہ قرآن کریم کا بیان ہے اور نہ ہی مسلمانوں نے کبھی اس بات کو تسلیم کیا ہے، منٹگمری واٹ اپنے مزعومات کو قرآن کریم اور مسلمانوں کے سر تھوپ کر اپنی روایتی علمی بددیانتی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

نسخ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور نسخ علوم دینیہ کی ایک مستقل اصطلاح جس کی اپنی ایک مخصوص تعریف اور شرائط ہیں۔

نسخ کوئی قانونی چھری نہیں، جو جس عقیدے کو چاہے باطل کر دے، جس قانون کو چاہے کالعدم قرار دے، اور جس اخلاقی ضابطے کو چاہے ملیامیٹ کر دے، نہ اس کیلئے زمانے کی پابندی ہو، نہ مسئلے کی نوعیت اس قانون پر اثر انداز ہوتی ہو بلکہ جس بات کو جب بھی خلاف مصلحت سمجھا کالعدم قرار دے دیا، نسخ کے متعلق اس قسم کا تصور صحیح نہیں۔

نسخ ایک شرعی اصطلاح ہے جو اپنے دائرے اور پابندیوں کے اندر نافذ العمل ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے حکمت خداوندی کے عین مطابق ہے۔

1.3- نسخ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم

نسخ کے لغوی معنی ہیں "مٹانا" ازالہ کرنا، مثلاً "نَسَخَتِ الرِّيحُ آثَارَ الْقَدَمِ أَيْ أَزَالَتْهُ" کہ ہوا نے قدموں کے آثار مٹا دیئے یعنی ان کا ازالہ کر دیا۔

اسی طرح جب ایک کتاب کے مندرجات کو دوسری کتاب میں نقل کی جائے "نَسَخْتُ الْكِتَابَ" کہا جائے گا۔

اصطلاحی مفہوم

"رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ الْمتاخر" (3) "کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا"

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے، پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے، اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اسے "منسوخ" اور جو نیا حکم آتا ہے اسے "ناسخ" کہتے ہیں۔

1.4- نسخ کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی نگاہ قدرت سے نہ حال پوشیدہ ہے اور نہ مستقبل۔ یہ بات اس کے لامحدود علم میں ہے کہ کون سے حکم کی افادیت کس وقت تک قائم رہے گی اور کب اس کی جگہ دوسرا حکم زیادہ مفید ثابت ہوگا، یہاں بعض لوگ یہ وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ قرآن کریم کی بعض آیات دوسری آیات کو منسوخ کر دیتی ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ پہلا حکم نازل کرتے وقت (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ حکم

مفید ہے اور جب تجربے کے ذریعے اس پر غیر مفید ہونے کا علم ہوا تو دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، یہ صرف ایک وسوسہ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ طبیب اپنے مریض کا علاج مرحلہ وار کرتا ہے، پہلے مرحلے پر وہ جو علاج تجویز کرتا ہے وہ اس مرحلے کیلئے مفید ہوتا ہے، لیکن اسی علاج کو مستقل کر دینا نہ طبابت ہے اور نہ عقلمندی، طبیب ہر مرحلے کے بعد علاج کو تبدیل کرے گا اور یہی حکمت ہے۔

اب اگر کوئی فلسفی مزاج مریض، طبیب کی طرف سے نسخے میں تبدیلی پر یہ اعتراض کردے کہ جناب طبیب، پہلے آپ نے یہ علاج تجویز کیوں نہ کیا تھا، کیا اس وقت آپ کو اس بات کا علم نہ تھا، جواب آپ کے نوٹس میں آئی ہے تو ایسا مریض کسی طبیب کے علاج سے صحت یاب کیسے ہوگا؟

1.5- نسخ کے اصول

نسخ کا اصول نہ نظری معاملات اور عقائد میں لاگو ہوتا ہے اور نہ ہی خبر میں، نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام پہلے ایک عقیدے کا پرچار کرے، پھر اس کی جگہ دوسرا عقیدہ پیش کردے اور کہے کہ پہلا عقیدہ منسوخ ہوگیا ہے اور نہ ہی نسخ کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم پہلے ایک حقیقت خبر کو بیان کرے اور پھر اس کو منسوخ قرار دے دیں، نسخ کا قاعدہ تو صرف عملی احکام میں لاگو ہوتا ہے اور وہاں بھی چند شرائط کے ساتھ:

"وَالنَّسْخُ لَایَكُوْنُ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْكَامِ بَلْ فِی الْاَحْكَامِ الشَّرْعِیَّةِ التَّكْلِیْفِیَّةِ الْجُزْئِیَّةِ الَّتِیْ، تَحْتَمِلُ الْوُجُوْدَ وَالْعَدَمَ ، اَیْ تَحْتَمِلُ كَوْنَهَا مَشْرُوْعَةً اَوْغَیْرَ مَشْرُوْعَةٍ فِیْ نَفْسِهَا فِیْ زَمَنِ النُّبُوَّةِ بِمَعْنیٰ اَنَّ مَصْلِحَتَهَا تَتَغَیَّرُ فَتَكُوْنُ فِیْ وَقْتٍ نَافِعَةً وَّفِیْ آخَرَ ضَارَّةً" (4)

"نسخ کا قاعدہ تمام احکام میں لاگو نہیں ہوتا بلکہ اس کا اطلاق شریعت کے احکام تکلیفیہ جزئیہ میں ہوتا ہے، جن میں وجود اور عدم دونوں کا احتمال ہو، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے نافذ العمل ہونے اور نہ ہونے کے دونوں احتمال موجود ہوں کیونکہ وہ اس قسم کے احکام ہیں

جن کی مصلحت بدلتی رہتی ہے، وہ کسی وقت مفید ہوتے ہیں اور کسی وقت مضر۔''

اس توضیح کے پیش نظر مندرجہ ذیل احکام نسخ کے دائرے سے خارج ہیں:

ا: وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہو، مثلاً: اللہ تعالیٰ، رسولوں پر، فرشتوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان۔

۲: ایسے احکام جو نیکی اور فضیلت کی بنیاد ہیں، مثلاً عدل وانصاف، صداقت امانت، والدین سے حسن سلوک وغیرہ۔

۳: شریعت کے حکام کلیہ اور اصول عامہ جیسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ۔

۴: ایسے احکام جن کی مشروعیت کا احتمال نہ ہو، جیسے کفر اور رزائل مثلاً: ظلم، جھوٹ، خیانت وغیرہ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی قباحت کبھی بدل نہیں سکتی۔

۵: ایسے احکام جن کے ساتھ کوئی ایسی چیز ملحق ہو جو نسخ کے منافی ہو، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت کا مسئلہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ''وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ'' (5)

''اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ تعالیٰ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''ابدًا'' کے ساتھ یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ زوجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ابدی طور پر حرام ہے، اس حکم کو ابدی قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے عمدہ اور مفید ہے کیونکہ اگر اس میں نسخ کا امکان ہو تو وہ اس حکم پر ابدی طور پر مفید ہونے کے خلاف ہوگا۔

۶: ایسے احکام جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں منسوخ ہونا کسی طریقے سے ثابت نہیں، ایسے احکام بھی ابدی ہیں اور نسخ کو قبول نہیں کرتے کیونکہ نسخ کے لئے قول رسول ضروری ہے اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ (6)

1.6- نسخ کی متفق فیہ شرائط

نسخ کے قاعدہ کو موثر ہونے کے لئے چند شرائط ہیں، ہم یہاں پر وہ شرائط ذکر کرتے ہیں جن پر علماء امت کا اتفاق ہے، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو نسخ کا قاعدہ بالا جماع لاگو نہیں ہوگا:

۱: منسوخ ہونے والا حکم شریعت کا ایسا جزئی اور عملی حکم ہو جو قرآن کریم اور سنت نبوی سے ثابت ہو اور اس حکم کے ساتھ نہ تو ابدیت کی شرط ہو اور نہ ہی اس کی مدت متعین ہو، اور ساتھ ہی منسوخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نزول میں ناسخ سے مقدم ہو۔

۲: ناسخ قرآن کریم کی آیت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی یا فعلی سنت ہو جو منسوخ سے متاخر ہو۔ (7)

2- نسخ کا اصول شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی موجود ہی رہا

نسخ کا جو مفہوم سطور بالا میں بیان ہوا، صرف شریعت محمدی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی موجود ہے، مستشرقین نے تو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نسخ کا قانون مسلمانوں کی اختراع ہے لیکن ایسا نہیں۔

چنانچہ "نسخ" صرف امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت نہیں، بلکہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ جاری رہا ہے جس کی بہت سی مثالیں موجودہ بائبل میں بھی ملتی ہیں۔

مثلاً:

۱: حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا، اور خود حضرت

یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں لیاہ اور راحیل آپس میں بہنیں تھیں۔ (8)

۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہنوں سے نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ وہ بہن صرف ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے یا ماں باپ دونوں کی طرف سے۔ (9)

بہن سے نکاح جس کی حرمت کو شریعت موسویہ نے زور و شور سے بیان کیا ہے، بائبل کے اپنے بیان کے مطابق پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھائی بہنوں سے نکاح کرتے تھے، بائبل کے بیان کے مطابق حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں وہ باپ کی طرف سے آپ کی بہن بھی ہیں، بائبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضرت سارہ کے متعلق یہ الفاظ کہلوا رہی ہے:

> "And besides, she my sister sirker,the daughter of my father, only not the daughter of my mother and she became my wife" (10)

> ''علاوہ ازیں وہ میری بہن ہے، وہ صرف میرے باپ کی بیٹی ہے اور میری ماں کی بیٹی نہیں اور وہ میری بیوی بن گئی ہے''

بائبل کے ان بیانات سے صرف یہی نتیجہ نکالنا ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعتوں میں بہن سے نکاح جائز تھا۔ شریعت موسویہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور بہن سے نکاح حرام قرار دے دیا۔

نوٹ: اوپر جو ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے، بائبل کے بعض ترجموں میں باپ کی بیٹی کے الفاظ میں تبدیلی کر کے ''باپ کی طرف سے رشتہ دار'' کے الفاظ لکھے گئے ہیں لیکن یہ اعتراض سے بچنے کے لئے یہود و نصاریٰ کی تحریفی کوششوں کے سوا کچھ نہیں۔ (11)

۲: حضرت نوح علیہ السلام کے شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا(12) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے شریعت میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے۔ (13)

۳: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی۔(14)، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زنا کار ہونے کے سوا اسے طلاق دینے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی گئی۔ (15)

۴: حضرت یعقوب علیہ اسلام نے اپنے ماموں کی دو بیٹیوں "لیاہ" اور "راحیل" کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھا(16) لیکن شریعت موسویہ میں دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ (17)

اسلام نے تو نسخ کے قانون کو شریعت کے عملی احکام تک محدود رکھا ہے اور وہ بھی ایسے عملی احکام جس کے ابدی ہونے کی صلاحیت نہ ہو، اسلام کا یہ قانون نسخ جو محدود اور مشروط ہے وہ تو مستشرقین کو کھٹکتا ہے لیکن نسخ کی جو بے رحم چھری عہد نامہ قدیم و جدید میں چلتی نظر آتی ہے اس کی طرف ان کی توجہ مبذول نہیں ہوتی، اگر عیسوی شریعت موسوی شریعت کے بے شمار احکام کو منسوخ کر سکتی ہے اور موسوی شریعت سابقہ شریعتوں کے کئی احکام منسوخ کر سکتی ہے تو پھر اسلامی شریعت عیسوی شریعت کے احکام کو کیوں منسوخ نہیں کر سکتی؟

3- ایک ہی شریعت کے احکام کے ناسخ اور منسوخ ہونے کی مثالیں

بائبل میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شریعت کے احکام اسی شریعت کے دوسرے احکام کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

ا: کتاب گنتی کے چوتھے باب میں خیمہ عبادت کے خادمین کی عمریں تیس اور پچاس سال کے درمیان مقرر کی گئیں، جب کہ اسی کتاب کے آٹھویں باب چوبیں آیت میں خداموں کی عمروں کی حد 25 سال سے پچاس سال تک مقرر کی گئی ہے، ظاہر ہے ان میں سے ایک حکم ناسخ اور دوسرا منسوخ ہے۔

۲: کتاب الاحبار کے چوتھے باب میں جماعت کی غلطی کا کفارہ ایک بیل قرار دیا گیا ہے، لیکن کتاب گنتی کے پندرھویں باب میں جماعت کی غلطی کا کفارہ ایک بیل کے علاوہ غلے، مشروبات اور بکری کے ایک بچے کی

قربانی کو قرار دیا گیا ہے، گویا دوسرے حکم نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔

۳: انجیل متی میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے ہجوم اور اپنے حواریوں سے یوں گویا ہوئے کا تبوں اور فریسیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جگہ لے لی ہے، لہٰذا وہ جو باتیں تم سے کہتے ہیں ان کا خیال رکھو اور ان پر عمل کرو، (18) ظاہر ہے کا تب اور فریسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت میں احکام تورات کی پابندی کا ہی حکم دیتے تھے، اس لئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو ان کا کہا ماننے کا حکم دے رہے ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار کہلانے والوں نے تورات کے احکام کو اپنی شریعت سے خارج کر دیا ہے، اسے وہ نسخ نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔

۴: انجیل متی میں ہے: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ (حواریوں) کو ان احکام کے ساتھ روانہ فرمایا: ”قوموں کے راستے پر مت جانا، سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ تسلسل کے ساتھ اسرائیلی گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“

اسی کتاب کے پندرہویں باب کی آیت نمبر ۲۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ وضاحت مذکور ہے، ”میں اسرائیلی گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے علاوہ کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا“

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا پر واضح فرما رہے ہیں کہ آپ کا حلقہ تبلیغ بنو اسرائیل تک محدود ہے اور آپ کا پیغام اسی قوم کے لئے خاص ہے، لیکن مرقس کی انجیل میں یہ بھی الفاظ ہیں:

”اور آپ نے ان (حواریوں) سے فرمایا، ساری دنیا میں جاؤ اور تمام دنیا کو انجیل کی تبلیغ کرو۔ (19)

وہی پیغام جو انجیل متی کے مطابق ایک قوم تک محدود تھا، اسی پیغام کو انجیل مرقس میں عالمی قرار دیا جا رہا ہے، عیسائی حضرات کے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو دونوں انجیلوں میں تضاد کو تسلیم کریں اور یا پھر یہ کہیں کہ مرقس کی انجیل کے ذریعے متی کی انجیل کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (20)

انجیل یوحنا میں ہے:

''میرے پاس تمہیں بتانے والی بہت سی باتیں ہیں لیکن فی الحال تم انہیں برداشت نہیں کر سکتے، البتہ جب وہ آئے گا جو سچائی کی روح ہے تو وہ ساری سچائیوں کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گا، کیونکہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولے گا، بلکہ جو سنے گا وہی کہے گا، اور وہ تمہارے سامنے ان امور کا اعلان کریگا، جو مستقبل میں روپذیر ہونے والے ہیں۔'' (21)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت سے کہہ رہے ہیں کہ تم سے کرنے والی باتیں تو بہت ہیں لیکن ابھی تم ان کو سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے، لیکن مستقبل میں ایک عظیم ہستی تشریف لائے گی جو تمہیں تمام سچائیوں سے آگاہ کریگا، (22) اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہنی سطح کے مختلف ارتقائی مراحل میں مختلف شریعتیں نازل فرمائیں، لیکن انسان جب ذہنی طور پر مرتبہ کمال کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ امت پیدا فرمائی جو ''خیر الامم'' ہے اس امت کو وہ نبی عطا فرمایا جو ''سید المرسلین'' ہے اور اس کے ذریعے وہ دین نازل ہوا جس پر کمال کی مہر لگ چکی ہے، اب قیامت تک اسی دین کی پیروی دینوی اور آخروی کامیابی کی ضامن ہے، اس لئے پروردگار عالم نے اس کی حفاظت کو اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

4- اعجاز قرآن کریم پر مستشرقین کے شکوک

تمام انبیائے کرام کو جو معجزات عطا فرمائے گئے ان کی تعلق ان میدانوں سے تھا جن میں ان کی قوموں کو کمال حاصل تھا، دیگر انبیاء کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والی ساری قوموں کے لئے بشیر ونذیر بن کر تشریف لائے، اپنی نبوت اور رسالت کے ثبوت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی نشانی کی ضرورت ہے جو ہر زمانے کے انسانوں کو یقین دلا سکے کہ جو کام آپ کے دست اقدس پر ظاہر ہو رہا ہے وہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نشانی عطا فرمائی جو قیامت تک اپنی عظمت کے جھنڈے کو عرش کی بلندیوں پر لہراتی رہے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا یہ معجزہ قرآن کریم ہے۔

مستشرقین عموماً یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیائے کرام کی طرح معجزہ نہیں دکھایا، وہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے طور پر وہ آیات پیش کرتے ہیں، جن میں کفار کی طرف سے معجزات کے مطالبے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نشانیاں دکھانا میرا کام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، میرا کام تمہیں حق کی طرف دعوت دینا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی معجزات کسی دوسرے نبی کے معجزات سے کم نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نت نئے معجزات کے ظہور کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور یقیناً ان کا ایمان جو چٹان سے زیادہ مضبوط تھا، اس کو ان معجزات سے قوت عطا ہوتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑے کیا، بے شیر بکری نے آپ کے دست مبارک کی برکت سے دودھ دیا، درخت چل کر قدموں میں حاضر ہوئے، حضرت علیؓ کا آشوب چشم لعاب دہن رسول سے دور ہوا، انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے، چند آدمیوں کا کھانا سینکڑوں آدمیوں نے کھایا، یہ فہرست بڑی طویل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا لیکن آپ نے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر ہمیشہ قرآن کریم کو پیش فرمایا۔

اسی لئے جب کفار نے آپ کی نبوت ورسالت کا انکار کیا اور قرآن کریم کو انسانی دماغ کی اختراع قرار دینے کی کوشش تو ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوا، "وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ "(23) اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو، لے آؤ ایک سورۃ اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔"

قرآن کریم کا یہ چیلنج جس طرح لبید بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ جیسے فصیح اللسان عربوں کے لئے تھا، اسی طرح وہ بیسویں صدی عیسوی کے یورپی مستشرقین اور سائنسدانوں کے لئے بھی ہے، اگر قرآن کریم کا اعجاز صرف اس کی فصاحت وبلاغت تک محدود ہوتا تو جارج سیل اور تھامس کارلائل جیسے غلط ترجموں کی مدد سے قرآن کریم پڑھنے والے مستشرقین کے سامنے اس کو بطور چیلنج پیش کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہوتا، لیکن یہ پیغام

ایک عالمگیر پیغام ہے اس کے اعجاز کے کئی شاخیں ہیں کسی انسان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، قرآن کریم اس کو اسی شعبہ زندگی کے متعلق ایسے حقائق سے آگاہ کرتا ہے، جو انسانی عقل وخرد کی رسائی سے ماورا ہیں، ہم قرآن کریم کے بے شمار وجوہ اعجاز میں سے صرف مندرجہ ذیل کا ذکر کر رہے ہیں۔

4.1- ترکیب کا اعجاز

ترکیب کے لحاظ سے قرآن کریم کا اعجاز بے مثل ہے اس کے جملوں میں وہ شوکت سلامت اور شرینی ہے کہ جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً

قاتل سے قصاص لینا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لئے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے، مثلاً "اَلْقَتْلُ اِحْیَاء لِلْجَمِیْع" (قتل اجتماعی زندگی ہے) اور (اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ) "قتل سے قاتل کی روک تھام ہوتی ہے" (اَکْثِرُوْاالْقَتْلَ لِیَقِلَّ الْقَتْلَ) قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائے"۔ ان جملوں کو اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ یہ زبان عام تھے اور فصیح سمجھے جاتے تھے قرآن کریم نے بھی اس مفہوم کو ادا فرمایا لیکن کس شان سے ارشاد ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ" اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے" اس جملے کے اختصار جامعیت، سلامت، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھئے بلاغت کا معجز شاہکار معلوم ہوتا ہے اور پہلے تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

4.2- اسلوب کا اعجاز

ولید بن مغیرہ قرآن کریم اور رسول اللہ کا دشمن تھا فصاحت اور بلاغت میں پورے عرب میں مشہور تھا، ابوجہل چاہتا تھا کہ اس کی زبان سے قرآن کریم کے خلاف کچھ کلمات نکلوائے، ولید بن مغیرہ اسلام کا دشمن تو تھا لیکن قرآن کریم کی عظمت نے اسے سرنگوں رکھا تھا، ابوجہل کے اصرار پر اس نے کہا، تم جانتے ہو کہ میں تمام اصناف سخن کا تم سے زیادہ شناسا ہوں لیکن خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان اصناف سخن میں سے کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں رکھتا اس موقع پر اس نے کہا:

"خدا کی قسم اس کلام میں ایک عجیب قسم کی مٹھاس ہے حسن و جمال اس پر سایہ کناں ہے اس کا اوپر والا حصہ ضیابار اور اس کا نیچے والا حصہ تجلی ریز ہے، یہ غالب آتا ہے، مغلوب نہیں ہوسکتا، جو اس کے نیچے آتا ہے، یہ اسے پیس کر رکھ دیتا ہے۔" (24)

عتبہ بن ربیعہ کو سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے لئے منتخب کیا، اس کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے دور کے مروجہ علوم وفنون، سحر، کہانت اور شاعری وغیرہ میں یگانہ روزگار تھا، وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، لالچ اور تحریص کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت سے دستبردار ہونے کی ترغیب دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتیں سنتے رہے جب وہ اپنے گفتگو سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیات کی تلاوت شروع کی جب آپ اس آیہ کریمہ پر پہنچے "فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ" (25)

"پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد وثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔"

یہ آیات سن کر عتبہ کانپ اٹھا کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ کر رحم کی التجا کی، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی قوم سے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے سامنے وہ کلام پیش کیا ہے جس کی مثل میرے کانوں نے کبھی نہیں سنی، مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ان کے جواب میں کیا کہوں۔ (26)

ولید بن مغیرہ اور عتبہ جیسے لوگ تو دشمنی کے باوجود اعلانیہ قرآن کریم کی عظمت کا اقرار بغیر نہ رہ سکے، لیکن جو لوگ اٹھتے بیٹھتے قرآن اور قرآن لانے والے پیغمبر کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف تھے اور جن کی زندگی کا مقصد اس شمع حق کو بجھانے کے سوا کچھ نہ تھا، وہ جب آپس میں ملتے تو قرآن نہ سننے کی قسمیں کھاتے لیکن جب رات ہوتی تو وہ بے اختیار اٹھتے، کاشانہ حبیب خدا کا رخ کرتے چھپ چھپ کر خدا کے حبیبؐ کی زبان سے خدا کا کلام سنتے اور اس پر ایمان لائے بغیر اس کی ناقابل بیان تاثیر سے محظوظ ہوتے، یہ رویہ غیر معروف کافروں کا نہ تھا بلکہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق جیسے لوگ، جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے، ان کی راتیں چھپ چھپ کر قرآن

سننے میں گزرتی تھیں۔ (26)

4.3 - مستشرقین بھی قرآن کریم کے اسلوب کے قائل ہیں

خود مستشرقین بھی قرآن کریم کے اسلوب کے قائل ہیں جارج سیل لکھتا ہے۔

''یہاں میں بے شمار مثالوں میں سے صرف ایک مثال ظاہر کرنے کے لئے پیش کروں گا کہ اس کتاب کے اسلوب کی تعریف وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے جن کو اس کتاب کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے اہل اور موزوں جج قرار دیا جا سکتا ہے، لبید بن ربیعہ جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے کے عظیم عرب شعراء میں سے ایک تھا، اُس کی ایک نظم خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کی گئی، یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو صرف ان ادب پاروں کو حاصل ہوتا تھا، جن کے مقابلے کی دوسرے شعراء میں ہمت نہ ہوتی تھی، لیکن جلد ہی لبید کی نظم کے ساتھ قرآن کریم کی دوسری سورۃ آویزاں کر دی گئی، لبید اس سورۃ کی ابتدائی آیات پڑھ کر ہی اس کے لئے سراپا تعریف بن گیا، اس نے فوراً وہ دین قبول کر لیا جس کی تعلیم وہ سورۃ دے رہی تھی اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ یہ کلام صرف ایسے شخص کی زبان سے نکل سکتا ہے جس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔'' (28)

جزیرۂ عرب کے لوگوں کی قلبی قساوت کو رحمت ورافت میں بدل دینا صرف اسی کلام سے ممکن تھا جو پروردگار عالم نے ھدیٰ للعالمین بنا کر نازل فرمایا، قرآن کریم نے جزیرۂ عرب کے مکینوں، مکہ کے مشرکوں اور ہدایت قرآنی کے دامن میں پناہ لینے والی دیگر قوموں کے دلوں پر جو حیران کن اثرات مرتب کئے تھے، تاریخ انسانی ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، ایک اصلی عرب کی زبان سے ایسے معجزانہ کلام کا نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کلام کا مصنف کوئی انسان نہیں بلکہ وہ ہستی ہے جو مقلب القلوب ہے۔

5 - نظم کا اعجاز

نظم کلام میں کچھ خاص حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو اس وقت سمجھ میں آسکتی ہیں جب ایک بات پر اس کے نظم کی روشنی میں غور کیا جائے، اس نظم کا اہتمام ترک کر دیا جائے تو وہ باتیں لازماً نظرانداز ہو جاتی ہے جو خاص طور پر نظم سے نکلتی ہیں اور نظم ہی کی رعایت سے سمجھ میں آسکتی ہیں جس طرح ایک سپہ سالار اپنی افواج کو مختلف ڈھنگ سے ترتیب دیتا ہے اسی طرح قرآن کریم میں ایک ہی بات مختلف طریقوں سے کہی جاتی ہے،قرآن کریم میں ایک چیز کبھی عمودی (مرکزی مضمون) کی حیثیت سے آتی ہے کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے کبھی تفصیل کے ساتھ کبھی ایک چیز موخر ہوتی ہے کبھی ایک مقدم کبھی تنہا ہوتی ہے کبھی اپنے مقابل کے ساتھ کبھی کبھی کسی چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے ساتھ بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف ترتیبوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں،ظاہر ہے کہ جب ایک ہی سے اپنے مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہنچان لینے میں دقت نہ ہوگی الغرض قرآن کریم کے سورو آیات کا ارتباط کا پہلو قرآن کریم کے وجوہ اعجاز میں سے ایک ہے۔

قرآن کریم کی آیات کے درمیان نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے اس ربط کو اتنا دقیق اور غامض رکھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر آیت کی ایک مستقل حیثیت باقی رہے اور اس کے الفاظ کا عموم ختم نہ ہونے پائے تاکہ العبرة بعموم اللفظ پر عمل آسان ہو، اس کے علاوہ اس زمانے میں اہل عرب کے خطبات وقصائد کا اسلوب عموماً یہی ہوتا تھا کہ ان کے مضامین مرتب اور مربوط ہونے کے بجائے مستقل حیثیت رکھتے تھے، لہٰذا یہ طریقہ اس دور کے ادبی ذوق کے عین مطابق تھا، چنانچہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے، قرآن کریم کی ہر آیت مستقل معلوم ہوگی، لیکن جب آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیے گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پورا کلام مسلسل اور مربوط ہے۔

اس طرح قرآن کریم نے اپنے نظم میں جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اس کا دقیق ترین اعجاز ہے، اور اس کی تقلید بشری طاقت سے بالکل باہر ہے۔

بہت سے علماء نے قرآن کریم کے نظم وربط کی توضیح کے مستقل کتابیں لکھی ہیں ، اور بعض مفسرین نے اپنی

تفسیروں کے ضمن میں اسے بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے اس ضمن میں تفسیر کبیر امام فخر الدین الرازی شاید سب سے زیادہ قابل تعریف کاوش ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے نظم قرآن کی تشریح کا خاص سلیقہ اور خاص توفیق عطا فرمائی ہے، اس کے بعد قاضی ابوالسعودؒ نے بھی نظم قرآن کریم کا خاص اہتمام فرمایا ہے، بعد کے اکثر علماء نے ان دونوں سے اس ضمن میں استفادہ کیا ہے، نظم قرآن کریم کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھی جا سکتی ہے، سورۃ حجر میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

'' نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ'' (29)

''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں غفور اور رحیم ہوں، اور میرا عذاب (بھی) بڑا دردناک ہے''

اس کے فوراً بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ'' (30) اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر دے دو''

اور اس کے بعد فرشتوں کے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنے کا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے، بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، لیکن ذرا غور سے دیکھئے تو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ پہلے جملے کی تائید ہے، اس لئے کہ جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے انہوں نے دو کام کئے، ایک یہ کہ حضرت ابراہیمؑ، اسحاق جیسے صالح بیٹے کی خوشخبری دی، دوسرے انہی فرشتوں نے حضرت لوطؑ کی بستی پر جا کر عذاب نازل کیا، پہلا کام ''انا الغفور الرحیم'' کا مظاہرہ تھا اور دوسرا کام ''ان عذابی ھو العذاب الالیم'' کا اس طرح یہ دونوں جملے باہم نہایت گہرا تعلق رکھتے لیکن الگ الگ دیکھئے تو ان کی مستقل حیثیت بھی ہے۔

آج کل جو آدمی کچھ کتابیں پڑھ کر چند سطریں لکھ لے اسے مفکر، مدبر، محقق اور دانشور جیسے بھاری بھرکم القاب سے یاد کیا جاتا ہے، بدقسمتی سے مستشرقین سب ہی دانشور ہوتے ہیں ان کو جس میدان میں معمولی سی شدبد ہو اس میدان کا بھی ان کو ماہر شمار کیا جاتا ہے، خصوصاً علوم اسلامیہ میں وہ سب ہی ماہر تصور کئے جاتے ہیں جو لوگ غلط

ترجموں کی مدد سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو قرآن کریم کا مستند نقاد سمجھتے ہیں وہ لوگ جس اسلوبی میں خود کتابیں لکھتے ہیں اسی کو معیار قرار دیتے اور پھر اس خود ساختہ معیار پر قرآن کریم کے اسلوب کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک ہر فن کی کتاب صرف اسی فن پر بحث کرتی ہے، ہر کتاب ایک موضوع پر مشتمل ہوتی ہے، وہ انہی اصولوں کو قرآن کریم پر لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم مستشرقین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کا اسلوب وہ ہوتا جس کی وہ سفارش کر رہے ہیں تو یقیناً اس کی تاثیر وہ نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کیا، آج کا اسلوب یہ ہے کہ قانون کی کتاب میں صرف قانونی مسائل ہوں گے، ماہر معاشیات کی کتاب صرف معاشی مسائل پر مبنی ہوتی ہے، اس کے برعکس قرآن کریم کسی ایک علم کی کتاب نہیں اس نے کائنات کے ہر موضوع کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے، کیونکہ یہ صرف معلومات مہیا کرنے والی کتاب نہیں بلکہ یہ رشد ہدایت والی کتاب ہے، یہ اس حکیم کا کلام ہے جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

6 - بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات

بعض مستشرین نے قرآن کریم کے بیان کئے ہوئے واقعات پر اعتراضات کئے ہیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ (معاذ اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعات اہل کتاب کے کسی عالم سے زبانی سنے تھے جنہیں بیان کرنے میں اس سے مغالطہ ہو گیا۔

6.1 - حضرت مریمؑ کے والد کا نام

مستشرقین، اعتراض کرتے ہیں کہ مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا بھی، اول الذکر بنت عمران تھیں، قرآن میں (معاذ اللہ) مغالطے کی بناء پر موخر الذکر کو بھی "بنت عمران" قرار دے دیا گیا (31) مقام افسوس، کہ یہ بے سروپا اعتراض انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جیسی عالم شہرت کی کتاب میں درج کرتے ہوئے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی گئی، اگر "برٹانیکا" کا مقالہ نگار کسی یقینی دلیل سے یہ بھی ثابت کر

دیتا کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام ''عمران'' نہیں تھا، تب تو یہ اعتراض کسی درجے میں قابل لحاظ ہوسکتا تھا، لیکن یہ ہے کہ اگر خود انہیں سے پلٹ کر یہ پوچھ لیا جائے کہ پھر حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں ہوگا، انتہا یہ ہے کہ بائبل میں بھی ان کے والد کا کوئی نام مذکور نہیں اور خود برٹانیکا کے مقالہ ''مریم'' میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔'' (32)

ایک طرف یہ لاعلمی اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے والد کا نام (معاذ اللہ) مغالطے پر مبنی ہے، کیا ''برٹانیکا'' کے مقالہ نگار یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ کسی شخص کا نام ''عمران'' رکھا جاچکا ہو تو اب دنیا میں کوئی شخص اس کا ہم نام پیدا نہیں ہوسکتا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو قرآن کریم کی حقانیت کی واضح دلیل ہے کہ وہ ان تاریخی حقائق کی علی الاعلان نقاب کشائی کر رہا ہے جو سات سو سال سے نامعلوم تھے۔ اور اس خود اعتمادی کے ساتھ کہ چودہ سو سال سے اس کے بدترین دشمن بھی اسے غلط قرار دینے کی جرأت نہیں کرسکے۔ (33)

اور یہ بات صرف حضرت مریمؑ کے والد کے نام ہی تک محدود نہیں بلکہ حضرت مریمؑ کی پیدائش ان کی تربیت ان کے بچپن اور ان کی ابتدائی زندگی کے تمام حالات کے بارے میں تمام ''مستند'' عیسائی ماخذ بالکل خاموش تھے، یہاں تک کہ چاروں معتبر اناجیل میں بھی ان حالات کا تذکرہ موجود نہیں ہے، یہ تو قرآن کریم ہے کہ پہلی بار ان واقعات کو منظر عام پر لایا۔

شروع شروع میں عیسائی دنیا ان ''انکشافات'' پر بھی اعتراضات کرتی رہی، مگر اب خود عیسائیت کی اسی قسم کتابیں دریافت ہو رہی ہیں، جن میں تقریباً قرآن کریم کے بیان کردہ یہی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ (34)

حیرت کی بات ہے کہ قرآن کریم کے ان واضح معجزات کو دیکھ کر بھی ان ''دانشوروں'' کو قرآن کریم پر اعتراض ہے کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام عیسائی ماخذ میں نہیں ملتا؟

6.2 - فرعون مصر کا وزیر ہامان اور مستشرقین کا اعتراض

مستشرقین یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے فرعون کے ایک وزیر کا نام ہامان ذکر کیا ہے، حالانکہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائیبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا، بلکہ ہامان شاہ اسویرس کا وزیر تھا، جس کا ذکر بائیبل میں موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ یہ واقعات زبانی سیکھے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کی طرف منسوب کر دیا۔ (35)

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی انتہائی بے سروپا بات ہے اور اسی طفلانہ مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دو انسان نہیں پائے جا سکتے، پھر واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر "برٹانیکا" کے مقالہ نگار نے کیا ہے اس کا قصہ صرف بائیبل کی ایک مشتبہ کتاب (Apocry phal book) آستر میں مذکور ہے، اس کتاب کو پروٹسٹنٹ فرقہ معتبر نہیں مانتا، چنانچہ مروجہ پروٹسٹنٹ انجیلوں میں یہ کتاب موجود نہیں ہے، البتہ کیتھولک فرقہ اسے مستند مانتا ہے، اس مشکوک کتاب میں جس ہامان یا آمان کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ شاہ اسویرس کا وزیر نہیں بلکہ صدر دربار تھا۔ (36)

اور اس کا جو قصہ اس کتاب میں مذکور ہے اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں ہے، قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لئے ایک اونچا محل تعمیر کرائے، تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے، قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت تک فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا اور بالآخر اسی کے ساتھ غرق ہوا، اس کے برعکس کتاب آستر میں ہامان (یا آمان) کی طرف اس نوعیت کا کوئی قصہ منسوب نہیں کیا گیا، کتاب آستر کا ہامان بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے، اور اس کا قصہ صرف اتنا ہے کہ ایک اتفاقی واقعہ کی بناء پر صرف مختصر عرصہ کے لئے بادشاہ اسویوس کا تقرب حاصل کرتا ہے، لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروا دیتا ہے جس پر بادشاہ کی یہودی ملکہ آستر اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور انجام کار بادشاہ اسے سولی پر لٹکا کر اس کی جگہ ایک یہودی مردکے کو نامزد کر دیتا ہے۔ (37)

جس شخص نے آستر کی کتاب کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آستر کے اس قصے کو ہامان

کے قرآنی واقعے سے دور دراز کا بھی تعلق نہیں، اگر واقعۂ ہامان کے تذکرے میں آستر والے ہامان سے اشتباہ لگا ہوتا تو دونوں قصوں میں کہیں تو کوئی اتفاق ہونا چاہئے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں مطابقت کی کوئی ادنیٰ جھلک بھی نہیں پائی جاتی ہامان کا جو واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہ آستر یا بائیبل کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے اور آستر میں جو قصہ منقول ہے وہ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ لاکھوں احادیث کے ذخیرے میں بھی کہیں نہیں ملتا، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تھا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ دو ہمنام شخصوں کو دیکھ کر اشتباہ لگنے کا یہ فلسفہ عہد حاضر کے عیسائی اور یہودی مستشرقین کو ہمیشہ صرف قرآن اور اسلام ہی کے معاملات میں یاد آتا ہے، بائیبل میں جو سینکڑوں ہم نام انسانوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں انہیں کبھی اس قسم کے خیالات نہیں ستاتے۔ (38)

خود آزمائی

1- نسخ کا لغوی واصطلاحی مفہوم بیان کیجئے۔

2- نسخ کی حکمت اور اصولوں پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

3- نسخ کی متفق فیہ شرائط بیان کیجئے۔

4- نسخ پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

5- کیا سابقہ شریعتوں میں بھی نسخ موجود رہا، مثالوں سے واضح کیجئے۔

6- اعجاز قرآن کریم پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

7- بعض قرآنی واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی وتنقیدی جائزہ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

1: The Koran, Page: 52

2: محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص ۱۸

3: مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۱۵۹

4: الدکتور محمد مصطفیٰ الشلبی، ''اصول الفقہ الاسلامی'' ج ۱، ص ۵۵۳

5: سورۃ الاحزاب: ۵۳

6: الشلبی، ''اصول الفقہ الاسلامی''، ج ۱، ص ۵۵۴

7: ایضاً

8: بائبل، کتاب پیدائش، ۲۹، ۳۰

9: عہد نامہ قدیم، کتاب الاحبار، باب: ۲۰، آیت: ۱۷

10: بائبل کتاب، پیدائش، باب: ۲۰، آیت: ۱۲

11: علامہ شیخ رحمت اللہ کیرانوالی، ''اظہار الحق'' بیروت، ج ۱، ص ۵۱۵

12: بائبل کتاب پیدائش، باب: ۹، آیت: ۳

13: بائبل کتاب احبار، باب: ۷، آیت: ۱۸

:14 کتاب پیدائش، باب:۱۹

:15 انجیل متی: ۱۵، ۱۹

:16 کتاب پیدائش:۱۹

:17 کتاب الاحبار، باب: ۱۸، آیت: ۱۸

:18 انجیل متی، باب: ۲۳، آیت

:19 انجیل مرقس، باب: ۱۶، آیت: ۱۵

:20 ضیاء النبی، ج ۶، ص ۴۴۲

:21 انجیل یوحنا، باب: ۱۶، آیت ۱۲، ۱۳

:22 ضیاء النبی، ج ۶، ص ۴۴۴

:23 سورۃ البقرہ: ۲۳

:24 محمد رشید رضا، الوحی المحمدی، دار لمنار، مصر، ۱۰۸

:25 سورۃ حم السجدہ: ۱۳

:26 محمد رشید رضا، الوحی المحمدی، دار لمنار، مصر، ۱۳۸

:27 ایضاً

:28 The Koran, Page: 47

:29 سورۃ الحجر: ۴۹، ۵۰

:30 سورۃ الحجر: ۵۱

:31 انسائیکلو پیڈیا، برٹانیکا، ج ۱۳، ص ۴۸۳، "مقالہ قرآن" ۱۹۵۰ء

:32 ایضاً مقالہ "مریم" ج ۱۴، ص ۹۹۹

:33 مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۲۸۸

:34 ڈکشنری آف دی بائبل از ہیسٹنگز، ج ۳، ص ۲۸۸

:35 برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۴۸۳، مقالہ "قرآن"

:36 آستر، ج ۱، ص ۳ (ناکش ورژن مطبوعہ میکملن ۱۹۶۳ء)

:37 آستر، ج ۳، ص ۸ اور ۶، ۷، ۱۰ اور ۸:۲

:38 مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۲۹۰

یونٹ نمبر......5

قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء اور ان کے اثرات

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظر ثانی

عبدالحمید خان عباسی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

قرآن کریم کی حفاظت کے لیے نہ صرف سرکاری سطح پر کوششیں ہوئیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ حفاظت قرآن کریم کے مقدس فریضے کی تکمیل میں لگ گئی، حفاظت قرآن کریم کے سلسلے میں مسلمانوں کی یہ کوشش صرف قرون اولی کے مسلمانوں تک محدود نہ تھیں بلکہ ہر زمانے کے مسلمان اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے ہیں، وہ قرآن کریم جو کبھی پتھر کے ٹکڑوں اور چمڑے کی جھلیوں پر لکھا گیا تھا آج اس کے رنگ برنگ نسخے دنیا سے خراج عقیدت وصول کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کے حفاظت کے بارے شر انگیز غلط بیانیاں جو نہایت معروف یورپی مصنفین شائستہ الفاظ اور مہذب لہجہ میں کرتے ہیں، زیادہ ہیجان اور تشویش کا موجب ہوتی ہیں لیکن ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب اور ہم مسلک مستشرقین کے رویئے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے غیر معروف ہونے پر مستشرقین کی شہادتیں، اور مستشرقین کی ان مثبت آراء کے اثرات وغیرہ شامل ہیں اور آخر میں مزید مطالعہ کے لیے کتب حوالہ جات کا فہرست بھی شامل کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱: قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء اوران کے اثرات جان سکیں۔

۲: یہ جان سکیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل و مدون ہو چکا تھا۔

۳: جمع قرآن کریم اور صیانت قرآن کریم کے بارے میں ولیم میور کا اعتراف جان سکیں۔

۴: قرآن کریم کے غیر محرف ہونے پر مستشرقین کی شہادتوں کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

۵: قرآن کریم کے بارے مستشرقین کی مثبت آراء کے اثرات کے بارے جان سکیں۔

۶: مستشرقین کے طبقہ جدیدہ کے خوش آئند رجحانات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء اور ان کے اثرات

مغربی ذہن اسلام کے بارے میں کچھ غلط تصورات قائم کیے ہوئے ہیں۔ اسلام کی حقیقت اور اس تصور کے جو اسلام کے بارے میں مغرب میں رائج ہے درمیان ایک وسیع خلاء حائل ہے۔ وہ کلیۃً غلط بیانات، جو اسلام کے بارے میں مغرب میں جاری ہیں۔ کچھ تو لاعلمی کے سبب اور کچھ اسلام کو بدنام کرنے کی منظم مہم کے باعث ہے۔ لیکن اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ سنگین قسم کی غلط بیانیاں وہ ہیں جن کا تعلق قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے۔ وہ شر انگیز غلط بیانیاں جو نہایت معروف مصنفین شائستہ الفاظ اور مہذب لہجہ میں کرتے ہیں۔ زیادہ ہیجان اور تشویش کا موجب ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب اور ہم مسلک مستشرقین کے رویے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور مسلمانوں نے نہ تو عہد صدیقیؓ میں اور نہ ہی عہد عثمانیؓ میں اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور ترمیم کی ہے۔ بلکہ امریکن ریسرچ کا بیان ہے کہ اہل مغرب نے کوشش کی ہے کہ وہ قرآن کریم اور اس کے اصولوں کو مسخ کر کے توڑ مروڑ، غلط بیانی، غلط تعبیر کر کے اور غیر صحیح شکل میں پیش کریں۔ یہ شرارت آمیز پروپیگنڈہ وہ غیر مسلم مغربی مصنفین کر رہے ہیں جنہوں نے اصل قرآن کا مطالعہ کیا یا کر رہے ہیں۔ (1) تاریخ انسانیت کا کہنا ہے "قرآن کے بغیر جدید یورپی تمدن قطعاً نہ ابھرتا اور بغیر قرآن کے یہ وہ رخ اختیار نہ کرتا جس نے یورپ کو اس قابل کیا کہ وہ ارتقاء کے تمام پہلوؤں اور ادوار پر گوسبقت لے گیا۔

B

1- قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل و مدون ہو چکا تھا

ہم یہاں پر چند مستشرقین کے اعترافات نقل کرتے ہیں جو باقی تمام مستشرقین کے برعکس مانتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتب و مدون ہو چکا تھا۔

روڈی پیرٹ (Rudi Paret) کہتا ہے ہمارے لیے یہ یقین رکھنے کا کوئی سبب نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی بھی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ (2)

1.1 : ولیم میور کا اعتراف

ولیم میور عیسائیت کا کٹر داعی ہی نہیں اسلام کا زبردست دشمن بھی ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور دین اسلام پر حملے کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ وہ قرآن کریم کو کلام خداوندی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ البتہ یہ بات وہ تسلیم کرتا ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو قرآن کریم ہے۔ یہ وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ ولیم میور لکھتا ہے:

> ''ارکان اسلام کی بنیاد اس مقدس وحی پر ہے جس کا کوئی نہ کوئی حصہ روزانہ کی نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعض ارکان میں اس'' مقدس وحی'' کی تلاوت فرض اور بعض میں سنت ہے اور صدر اول ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ اس مقدس وحی سے مستنبط کرتے ہیں۔ اسی ضرورت (نماز میں پڑھنے) کے لیے صدر اول کا ہر مسلمان قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کر لیتا تھا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ سمجھتا تھا۔ عرب میں جاہلیت سے حفظ کرنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ قرآن کی آیتیں حفظ کر لینا اور بھی سہل تھا مگر ہم اہل عرب کی اس مافوق العادت قوت حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے

پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبر کی زندگی میں ہی قرآن کی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں۔ جس کے مجموعے میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا تھا''۔ (3)

منٹگمری واٹ اسلام پر حملے کرنے کے بہانے تلاش کرتا ہے لیکن وہ بھی غالباً بے دلی سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ملت اسلامیہ نے اپنے الہامی صحیفے کی حفاظت کے لیے بے مثال کوششیں کیں وہ لکھتا ہے:

"Muhammad Continued to receive revelations at frequent intervals. He and his followers memorized them and they were repeated in the ritual worship or prayer which he introduced. Most of them were probably written down during Muhammad life time."

'' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مختلف وقفوں کے ساتھ وحی آتی رہی۔ آپ اور آپ کے متبعین اسے یاد کرتے اور انہیں اپنی نمازوں میں دہراتے تھے۔ غالباً وحی کا اکثر حصہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی ہی میں لکھا جا چکا تھا''۔

پھر قرآن کریم کی ترتیب کے متعلق لکھتا ہے

"It seems likely that to a great extent the surahs or chapters of the Quran were given their present form by Muhammad himself". (4)

'' یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کو موجودہ ترتیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود دی تھی''۔

1.2 - جمع قرآن کریم اور صیانت قرآن کریم پر ولیم میور کا اعتراف

جمع قرآن کے متعلق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کوششوں کے متعلق ولیم میور لکھتا ہے:

''زید نے ایک ایک تحریر کو سمیٹ لیا اور حفاظ قرآن کو اپنے گرد و پیش بٹھا کر دو یا تین سال میں یہی قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہے مرتب کیا۔ یہ نسخہ اسی ترتیب کے مطابق ہے جو زید رضی اللہ عنہ لکھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا کرتے تھے۔'' (5)

''زید کا مرتب کیا ہوا نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفاظت کی غرض سے اپنی صاحبزادی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سپردگی میں دے دیا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لی اور اسی نسخہ کو مدار صحت و کمال قرار دیا''۔ (6)

''بنو امیہ اور دوستداران حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقشات کے باوجود سب اسی قرآن پر متفق رہے جس کو بعد میں لوگوں نے ''صحیفہ عثمانی'' کا نام دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام فرقے قرآن کی صیانت وعصمت پر متفق ہیں۔''(7)

اسی طرح لکھتا ہے:

''بنا بریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس نسخے میں اصلاً تعارض نہ تھا جس میں زید نے قراءات کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھا۔'' (8)

''قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقت نظر سے کام لیا۔ اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دی گئی تھیں۔ جن کی ترتیب دیکھ کر تصنیفاتی تکلیف کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعین قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان و اخلاص کا جذبہ کار فرما تھا اور اسی ایمان کے ولولے میں وہ نہ صرف سورتوں اور آیتوں کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نکل گئے۔ ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

نے قرآن کی جس صورت میں نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرف بحرف صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقع پر جو اتفاقات جمع ہو گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں سے کوئی آیت وحی اوجھل ہو سکی اور نہ جامعین نے ازخود کسی آیت کو قلم انداز کیا۔ یہی قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دیانت اور امانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا''۔ (9)

ولیم میور جیسے اسلام کے مخالف کے قلم سے مندرجہ بالا اعترافات کا نکل جانا، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ عصمت وصیانت قرآن ایک ایسی قوی حقیقت ہے جو دشمنوں سے بھی اپنے آپ کو منوالیتی ہے۔

1.3 - قرآن کریم کے غیر محرف ہونے پر مستشرقین کی شہادتیں

یہ واقعہ کی قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف مستشرقین کو بھی کرنا پڑا۔

قرآن کریم ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہونے کے متعلق ڈاکٹر موریس بکائے لکھتا ہے:

''قرآن کریم کا مستند ہونا ایک تسلیم شدہ مسئلہ ہے۔ اسی لیے اس کتاب کو الہامی کتابوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس حیثیت میں نہ عہد نامہ قدیم اس کے ہم مثل ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی عہد نامہ جدید اس کتاب کے پہلے دو ابواب میں ہم نے تفصیل سے اس بات پر بحث کی ہے کہ عہد نامہ قدیم اور انجیلوں کے ہم تک پہنچنے تک ان میں کس طرح کی تبدیلیاں اور ترمیمات رونما ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے متعلق یہ سمجھنا غلط ہے اور اس کا سبب بالکل واضح ہے کہ قرآن حکیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات (طیبہ) ہی میں لکھ لیا گیا تھا''۔ (10)

''جب وحی کا سلسلہ آگے بڑھا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے مومن پیروکار قرآن کریم کو زبانی پڑھتے بھی تھے اور آپ کے پیروکاروں میں سے کاتبین وحی نے اسے لکھ بھی لیا تھا۔ یہ سلسلہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال تک جاری رہا۔ جس زمانے میں ہر شخص لکھنا تو نہیں

جانتا تھا لیکن (زبانی) تلاوت کرنا ہر شخص کے لیے ممکن تھا۔ اس زمانے میں زبانی تلاوت نے بہت بڑا فائدہ پہنچایا کیونکہ جب قرآن کریم کا حتمی صحیفہ مرتب کیا گیا تو اس وقت وحی کی صحت کو پرکھنے کے لیے دوہرا معیار (ترتیل و کتابت) موجود تھا"۔

"Texts formally prove that long before the porphet left Mecca for Madina (I-c long before Hegira) the Quranic text so for revealed had been written down." (11)

"متون میں اس حقیقت کے باقاعدہ ثبوت موجود ہیں کہ ہجرت سے بہت پہلے قرآن کریم کا جو حصہ اس وقت تک نازل ہوا تھا وہ لکھا جا چکا تھا"۔

ڈاکٹر موریس بکائے قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم خود اپنے مکتوب ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے

"قرآن کریم خود اس بات کی طرف اشارے کرتا ہے کہ اسے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلمؐ) کی زندگی میں ہی لکھ لیا گیا تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکاروں میں متعدد کاتبین وحی تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کا نام بعد کی نسلوں میں بھی مشہور رہا"۔

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حضرت ابو بکرؓ نے جو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کاتبین وحی میں سرفہرست تھے۔ حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کریں۔ حضرت زید نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان تمام معلومات کا جائزہ لیا جو مدینہ بھر میں میسر آ سکتی تھیں۔ آپ نے حفاظ کرام کی شہادت لی اور مختلف لوگوں کے پاس ذاتی طور پر جو نسخے محفوظ تھے ان کا جائزہ لیا۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں کوئی

معمولی سے غلطی بھی راہ نہ پا سکے۔ اس طرح قرآن کریم کا ایک انتہائی قابل اعتماد نسخہ تیار ہو گیا۔'' (12)

جمع قرآن بعہد عثمانؓ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے اسلام کے پہلے تین خلفاء خصوصاً عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کو جمع کرنے کی طرف مائل کر دیا ان کے اس رویے کے محرکات بالکل واضح ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے بعد کی چند دہائیوں میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا اور اس کی اشاعت زیادہ تر ان لوگوں میں ہوئی جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد میں قرآن کریم کی اشاعت اور اس کو اپنی اصلی حالت پر قائم رکھنے کے لیے انتہائی ضروری تھی سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جمع قرآن کے پیش نظر یہی مقاصد تھے''۔ (13)

1.4 - چند اور مستشرقین کے اعتراضات

اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کچھ اہم عبارتیں نقل کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

اپالوجی فار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مصنف گارڈ فری ہیگن کی عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ لکھتے ہیں کہ

''اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے وقائع عمری محمد (ﷺ) کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں''۔ (14)

اسی طرح بار سورتھ سمتھ لکھتے ہیں:

''جو کچھ عام طور پر مذہب کی ابتداء نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے۔ وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے۔ جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور ان کی

نسبت جنھوں نے ان محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں۔ شاید وہ زیادہ جانتے ہیں ہم زرتشت اور کنفیوسش کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں۔ جو ہم سیزرز کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے ٹکڑے میں ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی۔ ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔ لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیح کی ماں مسیح کی خانگی زندگی ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک وقت ظہور کی نسبت کیا جانتے ہیں۔ فرضی افسانے (Mythology) اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں۔ اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جاسکتے ہیں۔''

کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ شخصیت کی طاری گہرائیاں حقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی۔ لیکن ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ ان کی جوانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات، ان کی عادات، ان کی تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بہ نوبت آنا، ان کی اندرونی تاریخ کے لیے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ ہم ایک کتاب رکھتے ہیں، یعنی قرآن جو اپنی اصلیت میں اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے۔ لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص بھی سنجیدہ شک نہ کر سکا۔ اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانے کی Master spirit کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے۔ عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب، تھکا دینے والے لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز، جو اس کے اندر بند ہے۔ خدا کے نشہ میں مست اور سرشار۔ (15) ایسے ہی گبن کی اور بہت سے دیگر مستشرقین کی عبارتیں ہیں۔ جن میں قرآن کریم

کے غیر تحریف شدہ ہونے کے واضح اعترافات موجود ہیں۔

مسٹر ای منگانا، سابق استاد مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں:

''یورپ کی لائبریریوں میں قرآن مجید کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان میں کوئی لفظی اختلافات نہیں۔ البتہ طرز کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے۔ ایسا ہی خیال نول دیک Noeldeke نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس میں ظاہر کیا۔'' (16)

یورپ کے مشہور مستشرق Baroness Margarate Vontein قرآن کریم کے متعلق لکھتا ہے۔

''اگرچہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی ردو بدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔'' (17)

2- میونخ یونیورسٹی جرمنی میں قرآن مجید میں تبدیلی نہ ملنے کے بارے میں اہم واقعہ

یہاں پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم کا بیان کردہ واقعہ بہت اہم ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جرمنی میں میونخ یونیورسٹی نے ایک ادارہ ۱۹۳۳ء میں قرآن مجید کی تحقیق کے لیے قائم کیا۔ ڈاکٹر پریکشل اس ادارے کے تیسرے ڈائریکٹر تھے۔ ان سے ڈاکٹر حمید اللہ کی ملاقات ہوئی۔ اس ادارے نے یہ کام کیا کہ قرآن کریم کے قدیم ترین نسخے دنیا کے مختلف ملکوں سے اکٹھے کیے۔ کچھ نسخے ایک سو سال پہلے کے، دو سو سال پہلے کے، تیسری صدی، چوتھی اور پانچویں صدی کے، غرض یہ جتنے بھی نسخے مختلف میوزیمز اور لائبریریوں سے جمع ہو سکتے تھے۔ اصل یا فوٹو کاپی کی شکل میں جمع کر لیے۔

بقول ڈاکٹر پریکشل انہوں نے بیالیس ہزار نسخے اکٹھے کر لیے۔ علماء اور محققین کی ایک بہت بڑی جماعت کو

ان نسخوں پر بٹھادیا۔ انہوں نے طویل عرصہ تک مقابلہ اور موازنہ کیا تا کہ کسی ایک نسخے کا کسی دوسرے نسخے سے اختلاف یا فرق ڈھونڈ سکیں۔ اس تحقیق پر ان کے کئی سال لگے۔ اس کی عارضی رپورٹ بھی انہوں نے شائع کی۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کہتے ہیں کہ میں خود ڈائریکٹر پریکشل سے ملا اور انہوں نے یہ کہا کہ انہیں ان بیالیس ہزار نسخوں میں صرف دو جگہ کتابت کی غلطی نظر آئی۔

ایک جگہ تو یہ فرق نظر آیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ایک جگہ الرحمٰن کا لفظ چھوٹا ہوا تھا اور دوسرا یہ کہ کہیں الف لام (تعریف) لکھی ہوئی تھی اور کہیں کہیں نہیں۔ لیکن الفاظ وہی تھے ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

اب مزے کی بات یہ ہے کہ ایسی ہی تحقیق جرمنی میں ہی بائیبل کے بارے میں بھی کر ڈالی گئی۔ صرف یونانی زبان کے نسخے جمع کیے گئے۔ اس لیے کہ یونانی زبان سے قبل بائیبل کا کسی اور زبان میں سراغ نہیں ملتا اور تمام زبانوں کے نسخوں سے صرف نظر کیا گیا۔ اس کے باوجود صرف یونانی بائیبل کے نسخوں میں ہی دو لاکھ غلطیاں برآمد ہوئیں۔ (18)

ہم نے گزشتہ صفحات میں اپنوں اور بیگانوں کی تحریروں سے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے نہ صرف سرکاری سطح پر کوششیں ہوئیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ حفاظت قرآن کے مقدس فریضے کی تکمیل میں لگ گئی۔ حفاظت قرآن کے سلسلے میں مسلمانوں کی یہ کوششیں صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں تک محدود نہ تھیں بلکہ ہر زمانے کے مسلمان اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ وہ قرآن کریم جو کبھی پتھر کے ٹکڑوں اور چمڑے کی جھلیوں پر لکھا گیا تھا۔ آج اس کے رنگ برنگ نسخے دنیا سے خراج عقیدت وصول کر رہے ہیں۔

اسی طرح مندرجہ بالا اقتباسات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کے وہ دعوے اور ان کی صداقت صرف ہمارے نزدیک ہی مسلم نہیں ہے بلکہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ان دعووں کی صداقت پر آج تک انگلی نہیں رکھ سکے اور متعصب سے متعصب معاندین بھی اپنی تمام کوششوں کی ناکامیوں کے بعد ان عظیم حقیقتوں کے اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ

۱: قرآن کریم اور صرف قرآن کریم ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی رد و بدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔

۲: عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس نسخہ کا ہو بہو عکس ہیں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کر دیا تھا۔

۳: یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہی ہیں جو قرآن کے اندر بعد کے زمانہ میں کسی اضافہ وغیرہ کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی تھی۔

۴: قرآن کریم کا متن بعینہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا اور جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں رہتا تھا۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جس کتاب کی حفاظت کے لیے اتنی کوششیں کی گئیں اس کتاب کی صحت کو تو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ صحیفے جن کے لکھنے والوں کا بھی پتہ نہیں اور جن کے مختلف ایڈیشنوں میں متعدد اختلافات موجود ہیں ان صحیفوں کو مستند الہامی کتابیں قرار دیا جائے۔

3 : مستشرقین کی مثبت آراء کے اثرات

ہسپانیہ کی مسلم درس گاہ سے جو پہلا مغربی عالم نکلا وہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی پادری تھا۔ فراغت کے بعد فرانس واپس آ کر لوگوں کو عربی علوم سے واقف کرایا۔ ۹۹۹ء میں شانجہ نامی ایک مغربی حکمران نے قرطبہ کی یونیورسٹی سے مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد یورپ میں کھل کر اسلامی علوم وفنون سے دل چسپی لی جانے لگی۔ چنانچہ ایک پادری نے مسیحی قوموں کو عربی زبان کی ترغیب دیتے ہوئے کہا:

> ''اللہ جسے چاہتا ہے اسی کو حکمت و دانائی سے نوازتا ہے۔ اس نے لاطینی زبان کو حکمت نہیں دینا چاہا بلکہ عربی زبان بولنے والے عربوں کو دیا ہے۔ اس لیے تم لوگ عربی زبان سیکھ کر حکمت حاصل کرو۔'' (19)

ان ابتدائی ادوار کے بعد یورپ والوں نے عربی زبان اور اسلامی علوم اور قرآن مجید کو بلا جھجک پڑھا پڑھایا اور ان میں علمی اور فنی شعور کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ ساتھ ہی وہاں کے جس ملک میں علم کا شوق پیدا ہوا وہاں کے طلبہ نے اندلس کی درس گاہوں کا رخ کیا اور واپس آکر اپنے ملک میں علم و حکمت کی بساط بچھائی۔

3.1 - مذہبی اور سیاسی رجحانات

ابتداء میں اہل یورپ کو اسلامیات اور مشرقیات سے دلچسپی خالص علمی اور فکری انداز میں تھی اور انہوں نے اسی انداز سے ان کو سیکھا سکھایا اور ان سے استفادہ کیا مگر بعد میں مذہبی طبقہ نے اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عداوت میں ان علوم سے کام لینا شروع کیا اور مسلمانوں کی کتابوں سے اپنے بنے بنائے ذہن کے مطابق اقتباسات لے کر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلے میں پادریوں نے نہایت مکروہ کارنامہ چھوڑا ہے۔ جسے خود یورپ کا باخبر طبقہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد یورپ میں وطنیت و قومیت کی ہوا چلی اور ملک گیری کی ہوس نے ان کو مشرقی ممالک خاص طور پر مسلم ممالک کی طرف متوجہ کیا۔ اس دور میں مشرقی علوم و فنون کے علاوہ مشرقی ممالک کے دوسرے ملکی اور قومی معاملات میں بھی دلچسپی لینی شروع کی۔ ان کے استعمار پسند حکمران اور ارباب سیاست ان ممالک میں تجارت، استعماریت اور ملک گیری کے حق میں سرگرمی دکھانے لگے اور مذہبی طبقہ کے لوگ جو پہلے ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو اپنی مسیحیت کا مدمقابل سمجھتے تھے۔ مسیحیت کے پرچار میں مشغول ہو گئے۔ ان ہی گوناگوں نظریات کے پیش نظر مغرب نے مشرق سے خصوصی تعلق پیدا کیا یہاں کے ملکی و جغرافیائی حالات دریافت کیے۔ یہاں کی قوموں کے مذہبی، ذہنی، تہذیبی، تمدنی، فکری اور معاشرتی رجحانات کا پتہ چلایا۔

یہاں مشرقی علوم و فنون کو زندہ کیا۔ کتابیں شائع کیں۔ ان کے ترجمے کیے اور عربی زبان کے علاوہ وہ فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت اور مشرقی دنیا کی دوسری زبانیں حاصل کیں۔

3.2 - مستشرقین کے جدید طبقہ کے خوش آئند رجحانات

یورپ کے مستشرقین نے بڑی بڑی کانفرنسیں کیں اور اسلامیات و مشرقیات کے مختلف موضوعات پر داد تحقیق لی۔ مستشرقین کی پہلی عالمی کانفرنس ۱۸۷۲ء میں پیرس میں منعقد ہوئی اور پھر ۱۹۰۸ء میں بھی ہوئی اور اس کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ تیسرے سال اس کی سالانہ کانفرنس دہلی میں ہوئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل یورپ نے دنیا بھر سے مخطوطات اور قلمی کتابوں کے ذخیرے جمع کیے اور نادر و نایاب کتابوں کو تعلیمات و تحقیقات کے ساتھ شائع کیا۔ ان میں مضامین، اسماء، مقامات وغیرہ کی الگ الگ فہرست مرتب کر کے لگائی۔ ان تمام حقائق کے اعتراف کے باوجود اس حقیقت کا بھی برملا اعتراف کرنا چاہیے کہ یورپ کا کوئی مستشرق کتنا ہی صاف ذہن اور کھلے دل کا نظر آئے۔ اس کے اندر اسلام دشمنی کا جرثومہ ضرور موجود ہوگا اور وہ اپنی بظاہر غیر جانبدارانہ و غیر متعصبانہ تحقیق میں کہیں نہ کہیں اسلام کے خلاف بات ضرور کرے گا اور یہ مرض جو ان کے پادریوں سے ورثہ میں ملا ہے اب تک ختم نہیں ہوا۔

یہی وجہ ہے اب خود یورپ اور امریکہ کا سنجیدہ طبقہ اپنے پادریوں، مورخوں اور محققوں کی کتابوں سے اسلام کو نہیں سمجھنا چاہتا ہے۔ بلکہ مسلمان فضلاء اور عربی زبان سے براہ راست اسلام فہمی کی کوشش کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ اسپین کی یونیورسٹی میں دراسات اسلامیہ کے مستقل شعبے قائم کیے ہیں۔ جس میں عرب علماء و فضلاء درس دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام دشمنی میں شاید کوئی ملک مجموعی حیثیت سے آج کے اندلس سے آگے ہو مگر اب وہاں وطنیت قومیت کے نام ہی سے سہی اندلسی علماء کی عربی کتابوں کی اشاعت اور ان کی یادگار قائم کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔

اس سلسلہ میں یورپ وغیرہ میں یہ رجحان بھی بڑھ رہا ہے کہ اسلام کو اس کے قدیم ترین ماخذوں سے سمجھنا چاہیے اور ان قدیم اسلامی مدونات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جو احوال اور ظروف سے پاک تھیں اور جن کے مصنفین اسلامی روح کے سمجھنے میں زیادہ کامیاب تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یورپ میں پچھلے پچاس سالوں میں حدیث و فقہ پر قدماء کی جس قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئی تھیں اور یورپ و امریکہ کے دانشوروں میں ان کی قیمت بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ پھر مسلمانوں کا علمی طبقہ بھی علم و تحقیق کی راہ میں اپنے طور پر یہ کام کر رہا ہے اور

اپنے قدیم ترین دینی وعلمی سرمایوں کو اچھے انداز میں پیش کرنے لگا ہے۔

خود آزمائی

1- قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل ومدون ہو چکا تھا۔ایک مضمون قلم بند کیجئے۔

2- جمع القرآن کریم اور صیانت قرآن کریم کے بارے میں ولیم میور کا اعتراف قلم بند کیجئے۔

3- قرآن کریم کے غیر محرف ہونے پر مستشرقین کی شہادتیں قلم بند کیجئے۔

4- مستشرقین کی مثبت آراء کے اثرات پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

5- مستشرقین کے جدید طبقہ کے خوش آئند رجحانات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

حوالہ جات

1: امریکن ریسرچ، تشکیل انسانیت کی تاریخ، لندن ۱۹۲۹ء

2: تاریخ انسانیت، ص ۳۴۷

3: محمد احسان الحق سلیمانی، "رسول مبین ﷺ)، ص ۱۸۵، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۳ء

4: Mohammad Prophet and Stateman, Page: 16

5: محمد احسان الحق سلیمانی، "رسول مبین ﷺ)، ص ۱۸۶، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۳ء

6: ایضاً

7: ایضاً

8: ایضاً

9: ایضاً

10: ڈاکٹر موریس بکائلے، دی بائبل دی قرآن اینڈ سائنس، ص ۱۳۳

11: ایضاً، ص ۱۳۴

12: ایضاً، ص ۱۳۷

13: ایضاً

14: سید سلیمان ندویؒ، خطبات مدارس، ص ۱۵

15: ڈاکٹر حافظ حقانی، قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن، ص ۴۱۸، دارالاشاعت، کراچی

16: ایضاً

17: ایضاً

18: ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۷۱

19: ڈاکٹر حافظ حقانی، قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن، ص ۴۹۴

یونٹ 6

مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہم اسالیب

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظرثانی

پروفیسر ڈاکٹر باقر خان خاکوانی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

قرآن کریم کے علوم پر صرف مسلمان علماء نے قلم نہیں اٹھایا، بلکہ اس کے افکار ونظریات اور اس کی تعلیمات سے مغربی دنیا کے اسکالرز و مصنفین نے رہنمائی حاصل کی۔ کیونکہ قرآن کریم کی تعلیمات جامع، مکمل، منظم اور اتنی فطری ہیں کہ وہ اس کو باوجود غیر مسلم ہونے کے نظر انداز نہ کر سکے، لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان میں بیشتر نے قرآن کریم اور اسلامی علوم کا مطالعہ اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت اسلامیہ کو کمزور کرنے کی غرض سے کیا۔

اس یونٹ میں قرآنی موضوعات پر لکھنے والے چند اہم مستشرقین کے نام ممالک شرقیہ کے علمی ورثے کو مغرب منتقل کرنا، منشورات اور انداز تحقیق، اسلامی تصورات کو یورپی زبانوں میں منتقل کرنا، دائرہ المعارف الاسلامیہ و معاجم کی تالیف، تفسیر کے حوالے سے مستشرقین کے اسالیب کا جائزہ، دوائرہ المعارف میں قرآنی موضوعات کے سلسلے مستشرقین کا اسلوب اور منہج جرائد اور مجلات میں قرآن سے متعلق مقالات شائع کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قرآنی موضوعات پر لکھنے والے چند اہم مستشرقین کے نام قلم بند کر سکیں۔

2- مستشرقین کے تحریروں کا معیار جان سکیں۔

3- مستشرقین کی اسلوب تحریر و تحقیق کا عمومی جائزہ جان سکیں۔

4- یہ جان سکیں کہ مستشرقین اسلامی تاثرات سے کس طرح استفادہ حاصل کیا۔

5- تفسیر کے حوالے سے مستشرقین کے اسالیب جان سکیں۔

6- دائرہ المعارف میں قرآنی موضوعات کے سلسلے میں مستشرقین کا اسلوب اور منہج جان سکیں۔

1- مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہم اسالیب

قرآن مجید حکمت و دانائی اور لازوال صداقتوں سے بھرپور کائنات کی عظیم ترین کتاب ہے۔ اس کتاب کی علم و حکمت سے صرف مسلمانوں نے استفادہ نہیں کیا، بلکہ اس کے افکار و نظریات اور اس کی تعلیمات سے مغربی دنیا کے نہ صرف سکالرز مصنفین نے رہنمائی حاصل کی بلکہ مغربی دنیا کے بادشاہوں نے بھی اس کا گہرا مطالعہ کیا اور اس کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کی۔

1.1 : قرآنی موضوعات پر لکھنے والے چند اہم مستشرقین کے نام

جن مستشرقین نے اپنی کتابوں، مقالات، مضامین اور لیکچرز میں قرآن کریم کے مختلف موضوعات پر بحث کی ہے۔ ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔

1- تھامس کارلائل	2- بلاشیر	3- نولڈیکے	4- بروکلمان
5- منٹگمری وات	6- مارگولیتھ	7- ولیم میور	8- جارج سیل
9- جیمس پی جے	10- ڈاکٹر ٹسڈل	11- سیمون فائل	12- الیف شوالتی
13- گولڈزیہر	14- آرتھر جیو	15- سموئیل زویمر	16- اسپر تجراے
17- فنسک اے جے	18- نارمن کالٹر	19- انتھونی جان	

پروفیسر ڈینس سورا، پادری زویمر، ڈاکٹر کنیٹول اسمتھ بردی، الیاک، اوجودی سانتاڈی کوئل، ایڈیلارڈ، پطرس، یوحنا، رابرٹ، ہرمان، ڈینل مورلے، میکائیل اسکاٹ، لیونارڈ، تھامس، ڈی اکوین، راجربیکن، رینڈلیو، جی پوسٹل، بی ویٹیر، بی ڈی بربیلو، انطونھا گالان، پادری رینادرڈو، پادری بارتیلی، جی فلوگل، ہملٹن، ایڈورڈ دریہاسک، مسٹرہیوز، تھامس کارلائل ولیم ہوک مارلے، ایڈورڈ مہلر، ایل اسمنٹ، پادری ڈروم، پادری خط کاری لازینون، بلاشیر، نالینو، نولڈیکے، بروکلمان، پروفیسر تخاؤ، تھامس آرنلڈ، مسٹر جیکسن، منٹگمری واٹ، پروفیسر گویام، لی اسٹونچ، مسٹر لیمپ، مسٹر انڈوسن، پروفیسر ایس ڈی مارگولیتھ، ڈینی راس، مسٹر اولیری، مسٹر اوکارٹ، مسٹر براؤن، سرہملٹن گب، لنڈاؤ، مسٹر لوئیس، پادری الیانو، پادری مارٹن، پادری ایو.جی، پادری ڑی کوپر، پادری ریلو، پادری بلن، پادری کوش، پادری جولیان، پادری بروبر، پادری میکارتھی، پادری بولوموائے، پادری زیموفین، پادری ڈیورنڈ، پادری مالون، پادری لامنس، پادری کولنگیٹ، پادری لاپیزے، پادری مونٹوڈے، پادری ہنری چارلس، پادری فلپس، ای ڈرنگھم، جارج برناڈشا، اے گیلیوم، ایس پی اسکاٹ، لین پول، لامارتین، جی ڈبلیو لائٹر، آرنلڈ ٹوائن بی، ولیم میکنیل، ڈبلیو ڈبلیو کیش، جوزف شاخت، ایم ڈی رائٹ، ایچ جی ویلز، ایف ایم والٹیئر، آرلنڈ او، ای بلائیڈن، برٹرینڈ رسل، فان گرونے، ای شاساؤ، آئرینا میڈمکس، ایل وی واگلیر ی، شواک، گستاؤلی بان، جان بیگٹ میخائیل ایچ ہارٹ، کاؤنٹ ٹالسٹائے، آروی سی باڈلے، گوسٹن ویرژیل گیورگیو، ریڈورڈ جی براؤن، ایڈورڈ مونٹٹ، مسزاینی بینسٹ، اے جی آربری، نپولین بوناپارٹ، ڈاکٹر ڈیرکس، الفونس الامارتین، لیورورش، موسیوگاسٹن کار، گاڈفری ہیگنس، جین ملیا، جے ڈبلیو گراف، پروفیسر قیروان، میجر آرتھر کلائن لیونارڈ، پروفیسر جان اوکانر، ہیکٹر بوتھ، گوئٹے، پادری کینتھ، ایچ کارڈنل، ڈین اسٹینلے، چارلس مورس، مسٹر ہولڈرسن، ڈاکٹر کلارک، موسیو لیون، ایس پی اسکاٹ، جوائیم دی بولف، ٹی ایف اینڈروز، ای بلائیڈ، پروفیسر ایڈوائرمونتے، جارج سیل، مسٹر ڈریپر آرلینڈاؤ، پادری والٹر مین ڈی ڈی، پروفیسر جان فرینک، کیپٹن رابرٹ گارڈن، فن لے، میرے کربوبائٹس این، ایل کولسین، ڈاکٹر ایلس اسپرنگر، ایڈورڈ ولیم لین، اے جے ونسنک، جی بی اسٹرنج، ڈبلیوسی اسمتھ وغیرہ شامل ہیں۔

ان مستشرقین میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کی تحریروں میں اسلام اور قرآن کے متعلق انصاف کی جھلک نظر آتی ہے ان میں چند درج ذیل ہیں۔

1- رچرڈ سائمن 2- پیٹر بائیل 3- سائمن اوکلے 4- پادریان ریلانڈ یوہان

5- جے ریسکے 6- مائیکل ایچ ہارٹ 7- ڈاکٹر مورس بکائلے 8- تھامس کارلائل

9- لامارتین 10- پروفیسر لیک 11- پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ 12- برنارڈ شاء وغیرہ

1.2 : مستشرقین کی تحریروں کا معیار

مستشرقین کی ان کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ تحریک استشراق میں بے شمار لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو نہ اسلام کو اس کے اصل مصادر کے ذریعے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنے اندر یہ سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس قسم کے مستشرقین کی معلومات کا سارا سرمایہ ان کے ہم مشرب مستشرقین کی تحریریں ہیں اور ان تحریروں میں وہ نظریات درج ہوتے ہیں جو مستشرقین میں صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے مستشرقین جو اسلامی علوم کی روح سے عدم واقفیت کے باوجود اسلامی موضوعات پر لکھتے ہیں ان کی تحریروں کو محض اسی بناء پر سند کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مستشرق کے قلم سے نکلی ہیں اور کسی یورپی زبان میں لکھی گئی ہیں۔

انصاف تو یہ ہے کہ جب کوئی محقق کسی موضوع کی بنیادی باتوں سے بے خبر ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس موضوع پر ماہرانہ تبصرہ کرنے بیٹھ جاتے۔ اکثر مستشرقین یہ کام کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ ایک قابل اعتماد محقق سمجھے جاتے ہیں۔

1.3 : ایک واضح مثال

اس کی ایک واضح مثال تھامس کارلائل کے قرآن کریم کے متعلق تاثرات ہیں اس نے اپنے لیکچر

"On Heroes and Hero Worship"

''میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق بہت سی منصفانہ باتیں لکھی لیکن قرآن کریم کو اس نے غیر

مرتب خیالات کا ایک تھکا دینے والا مجموعہ قرار دے دیا۔"(1)

تھامس کارلائل کی اس تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کو اصل متن سے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ عربی زبان وادب سے ناآشنا تھا) بلکہ اس نے قرآن کریم کو جارج سیل کے ترجمے کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

تھامس کارلائل جارج سیل کے بارے میں تو کسی قسم کے منفی تاثرات کا اظہار نہیں کرتا کہ اس نے ترجمے کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ البتہ وہ کتاب جس کو دنیا کے اربوں انسانوں نے صدیوں سے نسخہ ہدایت تسلیم کرتے آرہے ہیں اور جس نسخہ ہدایت کی روشنی میں اس کے ماننے والوں نے دنیا پر تہذیب وثقافت کے ایسے نقوش ثبت کئے ہیں جو تاریخ کے اوراق میں روز روشن کی طرح چمک رہے ہیں۔ تھامس کارلائل جیسے محتاط مستشرق نے اس کتاب کے بارے میں بغیر کسی تحقیق کے ایسے منفی تاثرات بیان کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی اور لطف کی بات یہ ہے کہ اتنی غلط بات کہنے کے باوجود اس کی ثقافت میں ذرا فرق نہیں آیا کیونکہ وہ ایک مستشرق ہے اور مستشرقین کے متعلق اہل مغرب نے ہمیں بتا رکھا ہے کہ علوم شرقیہ کے ماہر ہوتے ہیں۔

یہ وہ مستشرق ہے جس نے اکثر مقامات پر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منصفانہ رویہ اپنایا ہے اس مستشرق نے یقیناً تاریخ اسلام میں یہ بات پڑھی ہوگی کہ عرب جو فصاحت اور بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے دشمنی کے باوجود قرآن کریم کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کو چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اس نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ اسی قرآن کریم کی چند آیات نے عمر بن الخطابؓ کے دل کی دنیا بدل دی تھی اور وہ سینہ جو عداوت اسلام کی آماجگاہ تھا وہاں اس دین متین کی محبت کے گلشن کھل اٹھے تھے۔ جس کتاب کی فصاحت و بلاغت کے متعلق اہل زبان کی رائے یہ تھی اس کتاب کو محض ایک غلط ترجمے کے ذریعے پڑھ کر اس کی شان اعجاز بلکہ اس کی ادبی خوبیوں کو چیلنج کرنا کہاں کی تحقیق ہے اور جب ایک منصف مستشرق کی حالت ہے تو متعصب مستشرقین کی کیا حالت ہوگی؟

2: مستشرقین کی اسلوب تحریر و تحقیق کا عمومی جائزہ

مسلمانوں کے نزدیک علم وہدایت کا سرچشمہ بلاشبہ قرآن کریم ہے۔ یہ علم نجات کی منزل تک لے جانے والے جادۂ حق میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے مسلم محققین نے قرآن اور تفسیر کے میدان میں بے پناہ کام کیا ہے۔ اور مختلف قرآنی موضوعات پر انہوں نے کتابوں کے انبار لگا دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض مستشرقین اور مغربی مفکرین و محققین نے قرآنی علوم، عربی زبان وادب، خاص کر علوم القرآن اور تفسیر میں مسلمانوں کے علمی ورثے پر بہت کام کیا اور اپنی استعداد کا بھر پور استعمال کیا۔ مگر بعض مستشرقین نے قرآن کریم اور اسلامی علوم کا مطالعہ اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت اسلامیہ کو کمزور کرنے کی غرض سے کیا۔

ان مستشرقین نے اسلامی مخطوطے جمع کرنے کے محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے۔ مستشرقین نے نہ صرف ان مخطوطات کو جمع کیا بلکہ ان کی فہرستیں بھی تیار کیں، جن میں ہر مخطوطے اور مخطوطے کے مصنف کا مکمل تعارف اور معلومات فراہم کر دیئے گئے ہیں۔

2.1- ممالک شرقیہ کے علمی ورثے اور مخطوطات کو مغرب منتقل کرنا

مستشرقین نے ممالک شرقیہ کے نادر مخطوطات جمع کرنے اور انہیں مغربی ممالک میں منتقل کرنے کے لیے قانونی اور غیر قانونی ہر قسم کے ذرائع استعمال کیے۔ ان کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج لاکھوں کی تعداد میں اسلامی اور مشرقی مخطوطات یورپ کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ (2)

ان مستشرقین نے اسلامی مخطوطے جمع کرنے کے محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے اس کی مثال ایک مستشرقہ ''کراچکوفسکی'' کی کوششیں ہیں۔ اس مستشرقہ نے سولہویں صدی عیسوی میں قرآن کریم سے نادر مخطوطات پر ایک مقالہ لکھا اور اس مقالے کو مستشرقین کی کانفرنس میں پیش کیا۔ ''شیخ امین خولی'' نے کانفرنس میں اس مستشرقہ کے مذکورہ مقالہ کو سنا اور ان تاثرات کا اظہار کیا۔ ''مجھے یقین نہیں کہ مسلمانوں کے اکثر آئمہ ان نادر مخطوطات کے بارے میں جانتے ہوں۔ یہ مسئلہ ایسا ہے جس کی اہمیت کا احساس کرنے میں سستی کا مظاہرہ کرنا ممکن نہیں''۔ (3)

2.2- مخطوطات کی فہرستیں تیار کرنا

مستشرقین نے نہ صرف ان مخطوطات کو جمع کیا بلکہ ان کی فہرستیں بھی تیار کیں۔ جن میں ہر مخطوطے کا مکمل تعارف، مخطوطے کا موضوع، مصنف کا نام، زمانہ تصنیف، مصنف کی ولادت تاریخ و وفات سب معلومات فراہم کر دیئے گئے۔

2.3- منشورات اور انداز تحقیق

مستشرقین نے صرف اسلامی مخطوطات کی جمع آوری پر توجہ نہیں دی بلکہ اسلامی ورثے کی تحقیق اور نشر اشاعت میں بھی انہوں نے زبردست کوشش کی۔ انہوں نے کتابوں کے مختلف نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا۔ نسخوں کی باہمی اختلافات کی نشاندہی کی اور جس نسخے کو زیادہ صحیح سمجھا اس کو ترجیح دی۔ انہوں نے کتابوں کے ساتھ ان کے مضامین اور اسماء کی فہرستوں کا اضافہ کیا۔ بعض کتابوں کی بڑی مفید تشریح کی۔ پھر ان کتابوں کو تحقیق کے بعد حواشی اور فہرستوں سمیت شائع کر کے محققین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے جن کتابوں کو تحقیق کے ساتھ شائع کیا ان میں چند درج ذیل ہیں۔

سیرت ابن ہشام، الاتقان علامہ سیوطی کی، واقدی کی المغازی، الکشاف للزمخشری، تاریخ الطبری، کتاب اسیبویہ، ابن موید کی الاشتقاق، الانساب للسمعانی، معجم الادباء، للیاقوت، تجارب الامم لا بن المسکویہ فتوح مصر و المغرب والاندلس لابن عبدالحکم، اللمع لابونصر السراج، البدیع لابن المعتز، حی بن یقظان، لابن طفیل، مختصر فی حساب الجبر للخوارزمی، الملل والنحل للشہرستانی، حافظ نسفی کی عمدۃ عقیدۃ اہل السند والجماعۃ، ازدی بصری کی فتوح الشام، واقدی کی فتوح الشام، الکامل للمبرد، ابن درید کی الجمہرۃ، سیرافی کی اخبار النحویین البصریین، ابن الہیثم کی کتاب المناظر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی، الاحکام السلطانیہ للماوردی، فضائح الباطنیۃ، للغزالی، تاریخ الیعقوبی، الفہرست لابن ندیم، کشف الظنون للحاجی خلیفہ، جرجانی کی التعریفات، طبقات الحفاظ، للذھبی، وافیات الاعیان، لابن خلکان، تہذیب الاسماء للنووی، صحیح البخاری، ابن جنی کی المقتضب، مقالات الاسلامین لاشعری، الصفدی الوافی بالوافیات، ابوعمر الدانی کی التیسیر فی القرأت السبع، غزالی کی الرد الجمیل علی مدعی اللوھیۃ المسیح بصریح

الانجیل، ابن ابی اصیبعہ کی عیون الانباء فی طبقات الاطباء، اصفہانی کی الاغانی، سیوطی کی الاوائل، ابن سعد، طبقات ابن سعد، ابن قتیبہ کی عیون الاخبار، ابی منصور الماتریدی کی کتاب التوحید، امام ابوحنیفہ کی الفقہ الاکبر اور اس کے علاوہ بے شمار کتابیں مختلف موضوعات میں مستشرقین نے شائع کی ہیں۔ (4)

اسلامی ممالک کی لائبریریوں میں اول تو ان میں سے اکثر کتابوں کا ملنا ہی ایک مسئلہ ہے اور اگر مل بھی جائیں تو وہ ان مفید اضافوں اور فہرستوں کے بغیر ہوں گے جو مستشرقین کے مطبوعہ نسخوں میں موجود ہیں اور جو محقق کو اپنے مطلوبہ مواد تک پہنچنے اور اسے سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔

2.4- اسلامی تراث کو یورپی زبانوں میں منتقل کرنا

مستشرقین نے تحقیق و تفحص کے بعد اسلامی کتابوں کو ان کی اصل عربی زبان میں شائع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے بے شمار کتابوں کو یورپی زبانوں میں منتقل کیا۔ ترجمے کا کام بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور قرون وسطیٰ میں اہل مغرب نے طب، فلسفہ اور علم الافلاک وغیرہ کے موضوعات پر مسلمانوں کی کتابوں کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ کام ہر زمانے میں جاری رہا اور مستشرقین نے عربی کے بے شمار شعری دیوانوں کو مغربی زبانوں میں منتقل کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے تاریخ ابی الفداء تاریخ الطبری، مسعودی کی مروج الذھب، مقریزی کی تاریخ المممالیک، سیوطی کی تاریخ الخلفاء، غزالی کی احیاء العلوم اور المنقذ من الضلال وغیرہ سینکڑوں کتابوں کو مغربی زبانوں میں منتقل کیا۔ (5)

2.5- قرآن کریم کا پہلا لاطینی ترجمہ

قرآن کریم کا پہلا ترجمہ لاطینی زبان میں بارہویں صدی عیسوی میں مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مستشرقین نے مغربی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کے ڈھیر لگا دیئے۔ قرآن کریم کے چودہ ترجمے جرمن زبان میں اور چھ ترجمے ڈچ زبان، دس ترجمے انگریزی میں، نو ترجمے ہسپانوی زبان میں، سات ترجمے لاطینی زبان میں (6) مسلمانوں نے اپنے علمی سرمائے کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن مستشرقین کے مقابلہ میں نہ

ہونے کے برابر ہیں۔

اسلامی علمی ورثے کے تراجم کے علاوہ مستشرقین نے بے شمار ایسی کتابیں خود تالیف کی ہیں جن کا تعلق اسلام اور قرآن سے ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل سے لے کر بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک مستشرقین نے مشرقی اور اسلامی موضوعات پر ساٹھ ہزار کے لگ بھگ کتابیں تالیف کی ہیں۔ (7)ان کتابوں میں ایسی کتابوں کی بھی کمی نہیں جن سے دور حاضر کا کوئی محقق بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

مثال کے طور پر جرمن مستشرق ''کارل بروکلمان'' نے تاریخ الادب العربی کی تالیف کا بیڑا اٹھایا۔ وہ آدمی تن تنہا نصف صدی سے زیادہ عرصہ اس عظیم علمی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شب و روز مصروف رہا۔ اس نے اپنی اس کتاب میں عربی زبان کے ان تمام علمی شہ پاروں کا تعارف کرانے کی کوشش کی جو مطبوعات یا مخطوطات کی شکل میں اس کے علم میں آئے۔ مولف نے عربی کتابوں اور مخطوطوں کے مصنفین اور مولفین کے سراغ حیات بھی لکھے۔ ہزاروں صفحوں پر مشتمل یہ کتاب ہر اس شخص کو اپنی طرف کھینچتی ہے جو کسی عربی یا اسلامی موضوع پر کچھ پڑھنا چاہتا ہو اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر عربوں نے اس کو عربی زبان میں منتقل کرنا بھی ضروری سمجھا اور اس کے کئی اجزاء کے عربی تراجم بھی ہوئے۔

2.6- دائرۃ المعارف الاسلامیہ ومعاجم کی تالیف

مستشرقین کا ایک اہم اور علمی منصوبہ دائرۃ المعارف کی تالیف ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۸ء تک کے عرصے میں انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں طبع ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں پیرس میں منعقد ہونے والی مستشرقین کی اکیسویں کانفرنس میں اس انسائیکلو پیڈیا پر نظر ثانی کا فیصلہ کیا گیا تا کہ پہلے ایڈیشن کی طباعت کے بعد اس کے مندرجات پر جو اعتراضات کیے گئے یا جن خامیوں کی نشاندہی ہوئی ان کی اصلاح کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دائرہ المعارف کے اکثر مقالہ نگار متعصب یہودی اور عیسائی ہیں اس لیے اس انسائیکلو پیڈیا میں اسلام اور قرآن کے خلاف بہت کچھ ہیں۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی اہمیت کو سمجھتے

ہوئے مختلف اسلامی زبانوں میں اس کے تراجم شروع کرائے اور مستشرقین کی غلطیوں کی نشاندہی اور تصحیح کے لیے بھی کام شروع کیا۔

اس کے علاوہ معاجم کی تیاری میں بھی مستشرقین نے بہت عرق ریزی سے کام لیا۔پہلی عربی لاطینی قاموس بارہویں صدی عیسوی میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد عربی اور یورپی زبانوں کی کئی قوامیس تیار ہوئیں ''اوجست فشر'' (۱۹۴۹ء) نے ''معجم اللغۃ العربیۃ القدیمۃ'' کی تیاری کے لیے کئی دیگر مستشرقین کی معیت میں چالیس سال صرف کیے۔''المعجم المفہرس لا لفاظ الحدیث'' نے تو مستشرقین کی اہمیت کو اور زیادہ کیا۔حدیث کا کوئی طالب علم خواہ وہ مستشرق ہو یا مسلمان اس معجم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

3- تفسیر کے حوالے سے مستشرقین کے اسالیب کا جائزہ

قرآن کریم اور تفسیر کے میدان میں مستشرقین نے بہت کام کیا ہے ۔لیکن متاخر مستشرقین نے اپنی کوششوں کو علمی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اسلامی ادب کا بڑی گہری اور تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا ہے ان مستشرقین نے اکثر و بیشتر اپنے الزامات کو ثابت کرنے کے لیے مسلم مصنفین کی عبارتوں کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔لیکن انہوں نے مستند باتوں کو رد کرنے اور کمزور باتوں کو قبول کرنے میں جرح و تعدیل کے اصولوں کو جی بھر کر پامال کیا ہے۔

متاخر مستشرقین کا میدان تحقیق بھی اپنے پیشرووں کی طرح قرآن کریم، علم تفسیر، احادیث طیبہ، سیرت طیبہ، شریعت اسلامیہ اور تاریخ اسلام ہی ہیں ذیل میں ہم تفسیر کے حوالے سے مستشرقین کے اسالیب کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن اور تفسیر کے میدان میں مستشرقین کی مختلف تحقیقی اور تالیفی اسالیب ہیں یا تو مستقل تالیفات ہیں جو کہ صرف قرآن کریم اور تفسیر کے متعلق ہوتی ہیں یا مختلف کانفرنسوں میں پیش کیے گئے مقالات اور بحوث ہیں یا وہ مقالات اور بحوث جو مختلف دوائر المعارف میں طبع ہو چکے ہیں۔

3.1- مستقل تالیفات (تصنیف)

اس کو بھی ہم دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

اوّل: مختلف جامعات میں ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے تحقیقی مقالات اور رسائل۔

دوم: وہ مستقل تالیف یا تصنیف جو کہ مستشرقین کی مجالس میں مرجع اور مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اگر چہ اس طرح کی مستقل تالیف اور تصنیف خرافات اور بے انصافی پر مشتمل ہو۔ اس طرح کے مستشرق، مولفین کے درمیان اعلیٰ علمی منصب پر فائز ہوتے ہیں اور کبھی کبھی عالم اسلامی کی تحقیقی حلقوں پر بھی علمی رعب اور دبدبہ رکھتے ہیں۔

تفسیر کے میدان میں مستشرقین کی تالیفات میں سب سے زیادہ شہرت کا حامل گولڈ زیہر کی مذاہب التفسیر الاسلامی ہے۔ اس کتاب کے عربی زبان میں دو مرتبہ ترجمہ ہو چکا ہے۔ پہلی دفعہ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے کیا اور دوسری مرتبہ ۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر عبدالحلیم النجار نے ڈاکٹر عبدالحلیم النجار کے ترجمہ کا ایک نسخہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کی سنٹرل لائبریریوں میں موجود ہیں۔

یہ کتاب مستشرقین کے نزدیک ایک اساسی اور بہت اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

3.2- گولڈ زیہر کی کتاب کا منہج

پہلے مبحث میں قراءات قرآنیہ کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اکثر اپنی مدعیٰ ثابت کرنے کے لیے شاذ اور ضعیف قرائتوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ دوسری مبحث میں تفسیر بالماثور کو زیر بحث لایا گیا اور اس میں بھی اکثر ضعیف روایات کو من پسند نتائج کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

پھر ایک فصل ''تفسیر عقدی'' کے عنوان سے قائم کی گئی ہے اور اس فصل میں زیادہ تر معتزلی اور باطنی (قدیم اور جدید) اتجاہات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کے بعد ''تفسیر دینی فرقوں کے نزدیک'' کے عنوان سے

ایک فصل قائم کی گئی ہے اس میں تفسیر امامی اور اسماعیلی کا بیان ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ برے طریقے سے خلط ملط کیا گیا ہے اور آخری فصل ''اسلامی تمدن کی روشنی میں تفسیر'' کے عنوان سے ہے اور اس میں محمد عبدہ اور اس کے شاگردوں کی تفسیری اتجاہ کا بیان ہے۔ گولڈ زیہر اس مدرسے کو ''دور حاضر کے معتزلہ'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور اس فصل میں بھی زیادہ تر وہ چیزیں ہیں جس میں مدرسہ محمد عبدہ (مدرسہ منار) نے جمہور اہل السنّت کی مخالفت کی ہے۔

وہ غلطیاں جو تفسیر کے میدان میں گولڈز یہر سے سرزد ہوئی ہیں وہ ابھی تک تسلسل کے ساتھ مستشرقین کے علمی تحقیقات میں چلتی آرہی ہیں کیونکہ ابھی تک مستشرقین تفسیر اور علوم القرآن کو اصلی مصادر سے نہیں بلکہ گولڈ زیہر جیسے مستشرقین کی تصنیفات اور تحقیقات سے اخذ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرانسیسی مستشرق بلاشیر (ت ۱۹۸۳ء) جو کہ مستشرقین اور مستغربین دونوں میں کافی مشہور ہے۔ اور اس کی شہرت کے کئی اسباب ہیں۔

۱: مستشرق مذکور اسلامی ممالک میں کافی عرصہ مقیم رہا۔

۲: مشرق اور مغرب دونوں میں بہت زیادہ تعداد میں اس کے شاگرد موجود ہیں۔

۳: اس مستشرق نے عربی جامعات سے بہت استفادہ کیا۔

تفسیری میدان میں اس کے ''المدخل الی القرآن'' اور ''تاریخ الادب العربی'' جو کہ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی بہت مشہور ہیں۔

جن مستشرقین نے گولڈ زیہر سے استفادہ کیا ان میں ایک ''جاک جویمر'' بھی ہے اس نے ''محمد عبدہ کی تفسیری مدرسہ'' پر سوربون یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور ۱۹۴۵ء میں اسی مقالے کو ''تفسیر القرآن عند مدرسۃ المنار'' کے نام سے شائع کیا۔ پھر ۱۹۵۸ء میں طنطاوی جوھری کی تفسیر ''الجواھر'' پر بھی کام کیا۔

جویمر کے بعد جی ایم ایس بلجن نے ''عصر حاضر میں قرآن کی تفسیر'' کے عنوان سے کتاب لکھی جو کہ ۱۹۶۱ء

میں شائع ہوئی۔

3.3- دوائر المعارف

مختلف موضوعات پر مستشرقین کی تحقیقات خصوصاً اسلام اور قرآن کے بارے میں مختلف دوائر المعارف میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ ان دوائر المعارف کا مقصد ان مستشرقین کو قرآن اور اسلام کے بارے میں مواد فراہم کرنا ہے جو اسلامی ممالک میں سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

یہ دوائر المعارف مختلف یورپی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے درج ذیل بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

☆ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (Encyclopaecdia of Islam)

☆ دائرۃ المعارف الدیانات والاخلاق
(Encyclopaedia of Religion and Ethics interpretation)

☆ دائرۃ المعارف البریطانیۃ الجدیدۃ (The new encyclopaedia britannica)

☆ دائرۃ المعارف الکونیۃ (Encyclopaedia universalis)

3.4- دوائر المعارف (انسائیکلو پیڈیاز) میں قرآنی موضوعات کے سلسلے میں مستشرقین کا اسلوب اور منہج

ان انسائیکلو پیڈیاز کے مقالہ نگار اکثر متعصب یہودی اور عیسائی ہوتے ہیں اور اکثریت گولڈزیہر اور ہنری کے مقالات اور کتب سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس لیے وہ خرافات اور اتہامات ابھی تک ان کے مقالات میں تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اسلوب اور انداز تحریر میں کچھ تبدیلیاں بھی آتی ہیں۔

مثلاً "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" میں مستشرق کارد یفو نے قرآن کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے وہ گولڈ زیہر

اور ہنری سے ماخوذ ہے ان کو چاہیے تھا کہ وہ اصلی مصادر سے استفادہ کرتا تو غلطیوں سے بچ سکتا تھا۔لیکن مستشرقین کی اصل کمزوری عربی زبان و ادب سے ناواقفی اور بے خبری ہے۔کارڈیفو نے جو کچھ قرآن اور تفسیر کے بارے میں لکھا اس پر امین الخولی کا تعلق بھی شائع ہو چکا ہے۔ (8)

۱۹۶۰ء میں جب فرانسیسی زبان میں دوبارہ اس دائرۃ المعارف کی اشاعت ہوئی تو مستشرق ویلتش نے (قرآن) کے عنوان سے پانچ فصلوں اور ۳۱۰ صفحات پر مشتمل مواد کو شائع کیا۔اس دوسری اشاعت میں قرآن کریم کی لغت، اسلوب قرآنی تعبیر اور قرآن کریم کے ادبی ذوق کو زیر بحث لایا گیا۔

دائرۃ المعارف الدیانات والاخلاق (Encyclopaedia of Religion and Ethics Interpretation) میں جرمن مستشرق ماخر نے قرآن کریم سے بحث کی ہے اور ان کے نزدیک قرآنی تفاسیر اور تورات وانجیل کے شروحات میں کوئی فرق نہیں

اسی طرح دائرۃ المعارف البریطانیہ الجدیدۃ (The New Ency Britanica) میں قرآن کی تفاسیر میں نئے اتجاہات کا ذکر ہے اور دائرۃ المعارف الکویتیہ میں مادۃ (قرآن) کو تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اول: میں قرآن کے متعلق بلاشیر کے خیالات اور آراء کا ذکر کیا۔

مبحث دوم: تفسیر کی تاریخ

مبحث سوم: قرآن اور جدید تفسیری اتجاہات

آخری دونوں مباحث کلود نے تحریر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین کی تراث اور تعصب اس کو ورثہ میں ملی ہے اگرچہ اسلوب اور انداز ان سے کچھ مختلف ہے۔

3.5- جرائد اور مجلّات میں قرآن سے متعلق مقالات شائع کرنا

مستشرقین بہت سے ماہنامے، ششماہی، جرائد اور مجلات بھی شائع کرتے ہیں جن میں شرق اور علوم شرقیہ

سے متعلق موضوعات نشر ہوتے ہیں۔ظاہر ہے اس میں کچھ مقالات اسلام اور قرآن کے متعلق بھی ہوتے ہیں لیکن اکثر مقالہ کا عنوان کچھ اور مقالہ کے اندر کچھ اور ہوتا ہے۔

مثلاً جریدۃ الاسیویۃ Asiatique Journal (مجلّہ ایشیاء) جو کہ ۱۸۲۲ء سے لے کر آج تک پیرس سے شائع ہوتا ہے۔۱۹۰۴ء میں کلیمان ہوار نے اپنا مقالہ "وھب بن منبہ اور یہودی اور عیسائی تراث یمن میں" میں نشر کیا۔ یہ مقالہ علم تفسیر سے شروع ہوتا ہے لیکن اختتام "جامع البیان" اور ابو جعفر بن جریر الطبری پر بہتانوں اور طعنوں پر ہوتا ہے۔ (9)

اسی طرح ۱۹۷۶ء کے عدد (۲۶۱) میں مقالہ کا عنوان ہے "دراسات عربیۃ اور اسلامیۃ" جو کہ مستشرق کلوڈ اور شارل کی مشترکہ کوشش ہیں۔لیکن مقالے کی ضخامت کے باوجود اسلامیات،قرآن اور تفسیر کے بارے معلومات سے خالی ہے کیونکہ دونوں مقالہ نگار نے صرف ادب سے بحث کی ہے۔

3.6 - تفسیر بالرائ المذموم کی ترویج اور تفسیر کے اصلی مصادر کی قیمت کم کرنا

گولڈ زیہر نے تفسیر معتزلی اور باطنی کو بہت اہمیت دی۔ ان کے نقش قدم پر چل کر بعد میں آنے والے مستشرقین کا بھی یہی حال ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ تفسیر کے اصلی مصادر کو بے اثر کرنے کے لیے بغیر کسی تحقیق کے اعتراضات کئے گئے جیسا کہ کلیمان ہوالہ نے ۱۹۰۴ء میں دعویٰ کیا کہ جتنا بھی قدیم تفسیری ذخیرہ ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ماخوذ ہے اور تفسیر طبری میں وہب ابن منبہ یا دوسرے اسرائیلی روایات ہیں وہ (سفر تکوین) سے وہب ابن منبہ کے ذریعے منتقل ہوئے ہیں۔ (10)

یہاں تک جب دائرہ المعارف الاسلامیہ پہلی دفعہ شائع ہو گیا تو مستشرقین نے علی الاعلان یہ دعویٰ کیا کہ وہ قصص اور اخبار اور روایات جو قدیم تفسیری مصادر میں موجود ہیں اس کا کوئی اصل نہیں ہے۔

کارادی فو تفسیری ذخیرہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے "ابن عباس رضی اللہ

عنہ (ت ٦٨ھ) کو مسلمان علماء تفسیر میں حجت مانتے ہیں اور بہت ساری تفسیری روایات اس سے منسوب ہیں۔ حالانکہ اکثر یہ موضوع روایات اور احادیث (جو کہ ابن عباسؓ) سے مروی ہیں۔ کسی شرعی مسئلہ کا اس میں جواب ہے یا کسی آیت کی تشریح اور توضیح یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے آپ کو تسلی اور دل بہلانے کے لیے بنائی گئی ہو اور اکثر مستشرق محققین کا خیال ہے کہ اس تفسیری ذخیرہ میں صحیح روایات خاص کر اسباب نزول کے ضمن میں ڈھونڈنا عبث اور فضول ہیں۔ (11)

3.7 - تفسیر طبری کو بے اثر کرنے کی کوشش

باقی تفاسیر کے مقابلے میں مستشرقین نے تفسیر طبری پر بہت زیادہ اعتراضات کی ہیں اور اس مطاعن کے دو اہم اسباب ہیں۔

ا: مستشرقین کی کوشش ہے کہ تفسیر بالارائے المذموم کو رائج کریں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ائمہ اہل السنّت کا تفاسیر کو سامنے سے ہٹالیا جائے جبکہ تفسیر طبری بھی اہل السنّت کی تفاسیر میں سے ہے۔

۲: اکثر مستشرقین عربی زبان وادب سے ناواقف ہیں اور جو کچھ ان کے اسلاف نے تفسیر کے میدان میں ذکر کیا تھا وہی چیزیں آج کے مستشرقین بھی دھرا رہے ہیں۔ جو کہ کچھ گولڈ زیہر نے کہا ہے وہ تسلسل اور بغیر کسی تحقیق کے آج کے مستشرقین بھی ذکر کر رہے ہیں حالانکہ گولڈ زیہر کے زمانے میں تفسیری ذخیرہ اتنا نہیں تھا جو آج کل موجود ہے۔

مستشرقین کی تالیفات میں قرآن اور تفسیر کے بارے میں یہ تین دعوے بغیر کسی دلیل کے پیش کیے جاتے ہیں۔

ا: عقیدے اور عبادات کے ضمن میں قرآن کریم میں جتنے بھی احکام ہیں وہ اول صدر کے علماء نے اپنی طرف سے تخلیق کر کے قرآن میں شامل کیے ہیں۔

۲: تفسیر بالماثور کی جتنی بھی روایات ہیں انہیں مفسرین نے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا

کسی صحابی کی طرف منسوب کیے ہیں۔

۳: دین اسلام اور قرآن کریم اہل کتاب کے دینی ذخیرہ سے اخذ شدہ دین اور کتاب ہیں۔ (12)

حقیقت یہ ہے کہ دینی تعصب کی وجہ سے اکثر مستشرقین قرآن کریم کے بارے میں علمی اور تحقیقی اصولوں پر نہیں چلتے۔ مستشرقین اگر کوئی اصول بنا کر اسے تمام الہامی کتابوں پر لاگو کریں تو انہیں قرآن کریم پر اعتراض کرنے کا قطعاً کوئی موقع نہیں ملے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اکثر مستشرقین قرآن کریم پر اعتراض کرنے کے لیے جو اصول وضع کرتے ہیں ان اصولوں سے وہ ان کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔

اسلام کا تو دعویٰ یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک ہی پیغام کے علمبردار بن کر تشریف لاتے رہے حق ناقابل تغیر ہوتا ہے وہ زمانے کے بدلنے سے بدل نہیں جاتا۔ جو بات حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں حق تھی وہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بھی حق تھی۔ جو بات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حق تھی وہی بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حق ہے۔

چونکہ تمام انبیائے کرام حق کے علمبردار تھے۔ اس لیے ان کی تعلیمات اور ان کے پیغامات میں موافقت ایک قدرتی بات تھی۔ ہمارے ہاتھوں میں آج جو صحف سماوی موجود ہیں ان میں ہمیں جو باہم تصادم اور تضاد نظر آتا ہے۔ وہ تضاد اس لیے نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے کے متضاد اور متصادم پیغام لے کر تشریف لائے تھے بلکہ یہ تضاد اس وجہ سے ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کو صدیوں سے بازیچہ اطفال بنائے رکھا ہے۔ اگر آج بھی اصل تورات، زبور اور انجیل مل جائیں تو ان کی بنیادی تعلیمات اور قرآن کریم کی بنیادی تعلیمات میں ذرا فرق نظر نہ آئے۔ تفصیلات کے معمولی اختلافات زمانے کے تقاضوں کے مطابق ضروری ہیں اور تفصیلات میں اختلاف حکمت کے عین مطابق ہے۔

خودآزمائی

-1 قرآنی موضوعات پر لکھنے والے چند اہم مستشرقین کے نام قلم بند کیجئے۔

-2 مستشرقین کی تحریروں کا معیار اپنے الفاظ میں تحریر کیجئے۔

-3 مستشرقین کے اسلوب تحریر و تحقیق کا عمومی جائزہ قلم بند کیجئے۔

-4 ممالک شرقیہ کے علمی ورثے کو مستشرقین نے کس طرح استعمال میں لایا؟

-5 تفسیر کے حوالے سے مستشرقین کے اسالیب پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

حوالہ جات

1: تھامس کارلائل، آن ہیروز اینڈ ہیروز شپ، ص ۲۲۹

2: الاستشراق والخلفیۃ الفکریہ للصراع الحضاری، ص ۷۳

3: ایضاً، ص ۷۴

4: ایضاً، ص ۷۶

5: ایضاً، ص ۷۷

6: ایضاً، ص ۷۸

7: ایضاً، ص ۷۹

8: دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، کاردیفو (مادۃ تفسیر) ج ۵، ص ۳۴۶

9: Clement Huart, Wahb ben Manabbih et latrachistion Judeo - chretie - nne au Yemen, in "Journal Asiatique", 10° Serie, Tome 4, Septerbre Octoere 904

10: Clement Huart, Wahb ben Manabbih et latrachistion Judeo - chretie - nne au Yemen, in "Journal Asiatique", 10° Serie, Tome4, Page 350, Septerbre Octoere 904

11: دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج ۵، ص ۵۴۷

12: J - Scacht, La Loi et la Justice, in Encyclopedie generalede 1, Islam, Traduction Francaise, ed- S - I - E - D

یونٹ 7

مطالعہ قرآن کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف کا تنقیدی جائزہ

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظرثانی

پروفیسر ڈاکٹر باقر خان خاکوانی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

مستشرقین کا قرآن یا قرآنی علوم وفنون کی طرف اپنی توجہ کا زیادہ حصہ مبذول کرنے کا ایک خاص پس منظر اور ہدف ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کی تحقیق کا قلم ایک خاص رخ پر رواں دواں نظر آتا ہے اور جس کی روانی میں ایک خاص قسم کی راگ وسر کی کیفیت پائی جاتی ہے جو ان تمام کے یہاں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے اور ان کے اہداف میں بنیادی ہدف یہ ہے کہ قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ثابت کریں اور وحی قرآنی کی شکل کو مسخ کریں اور قرآنی عقائد کو مشکوک بناتے ،

اس یونٹ میں مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں ایک یہ ہے کہ وہ افسانوی اور موضوع روایات کے ذریعے قرآنی اور اسلامی عقائد کو مشکوک بناتے ہیں اور وحی قرآنی کی روح اور شکل کو مسخ کرتے ہیں اور پھر آخر میں قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دیتے ہیں ان اہداف کا تنقیدی جائزہ بھی اس یونٹ میں ذکر کیا جا رہا ہے

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف کا تنقیدی جائزہ قلم بند کر سکیں۔

2- افسانوی اور موضوع روایات کی حقیقت کو سمجھ سکیں

3- قصہ غرانیق سے آگاہی حاصل کر سکیں

4- یہ جان سکیں کہ اس من گھڑت واقعہ کو مستشرقین نے کن اہداف کے لیے استعمال کیا؟

5- اس من گھڑت قصے کی حقیقت قرآن کریم کی روشنی میں جان سکیں

6- یہ جان سکیں کہ مستشرقین وحی قرآنی کی روح اور شکل کو کس طرح مسخ کرتے ہیں

7- یہ جان سکیں کہ مستشرقین کی اہداف میں یہ بھی ایک ہدف ہے کہ قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دے۔

مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف کا تنقیدی جائزہ

عزیز طلباء! ہم نے پہلے ذکر کیا کہ استشراق کی ابتداء اسلامیات (قرآن وحدیث) کے مطالعہ کی تحریک سے ہوئی۔ مگر مستشرقین نے عام طور پر اپنی تحقیق و مطالعہ کے لیے جو موضوعات منتخب کئے وہ زیادہ تر قرآنیات اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں خصوصاً اول الذکر پر انہوں نے زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔

مستشرقین کا قرآن یا قرآنی علوم وفنون کی طرف اپنی توجہ کا زیادہ حصہ مبذول کرنے کا ایک خاص پس منظر اور ہدف بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کی تحقیق کا قلم ایک خاص رخ پر رواں دواں نظر آتا ہے اور جس کی روانی میں ایک خاص قسم کی راگ وسر کی کیفیت پائی جاتی ہے جو ان تمام کے ہاں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ مستشرقین نے جن نقطہ ہائے نظر یا ہدف سے کیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ یہ خدا کی کتاب نہیں ہے (نعوذ باللہ) بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے چنانچہ اس کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اس پر مختلف پہلوؤں سے اعتراضات کیے ہیں جس میں سے بعض کا یونٹ نمبر 2 میں ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ کچھ اہداف کا ذکر ہم نے یونٹ نمبر 1 میں کیا تھا۔ اب مزید ان کے اہداف درج ذیل ہیں۔

1- افسانوی اور موضوع روایات کے ذریعے قرآنی اور اسلامی عقائد کو مشکوک بنانا

مستشرقین ایسے افسانوی اور موضوع روایات کو بغیر کسی جھجک کے قبول کرتے ہیں اور نہ صرف ان افسانو

اور موضوع روایات کو حقیقت سمجھتے ہیں بلکہ اس کو مختلف انداز میں اپنے اہداف کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں ان افسانوں اور موضوع روایات میں ایک قصہ غرانیق بھی ہے جس کا خلاصہ ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

1.1- قصہ غرانیق

ابن جریر الطبری نے تفسیر ''جامع البیان'' اور سیوطی نے تفسیر ''الدر المنثور'' میں (1) اس واقعے کو ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی مجلس میں یا خانہ کعبہ کے اندر حالت نماز میں سورہ نجم تلاوت فرمائی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے'' اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ''(2)(اے کفار کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے)جب آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو شیطان نے کسی حیلے سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے''تلک الغرانیق العلیٰ وان شفا عتھن لترجیٰ ''(یعنی یہ بت مرغان بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یہ الفاظ سن کر کفار قریش بہت خوش ہوئے اور جب اختتام سورہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکین قریش سب نے سجدہ کیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا تو کفار مکہ نے آپ کو کندھوں پر اٹھا لیا وہ آپ کو لیکر مکہ کے طول وعرض میں چکر لگانے لگے وہ اپنی زبانوں سے مسلسل یہ نعرے بلند کر رہے تھے۔ یہ بنو عبد مناف کے نبیہیں اور ولید بن مغیرہ بڑھاپے کی وجہ سے سجدہ نہیں کر سکتے تھے تو اس نے مٹی اور کنکریاں ہاتھ میں اٹھا کر پیشانی کے ساتھ لگا کر سجدہ کیا۔

یہ خبر حبشہ میں بھی پہنچ گئی اور وہاں مشہور ہو گیا کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے حبشہ سے کئی مہاجرین مکہ واپس آ گئے۔شام کو جب حضرت جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے سورۃ نجم پڑھنے کے لئے کہا آپ نے سورہ نجم پڑھی اور اس میں ''تلک الغرانیق العلیٰ'' کے دو جملے بھی

ھے۔ اس پر جبریل امین نے فرمایا میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نے یہ جملے آپ کے سامنے ھے ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت مغموم ہوئے اور فرمایا (نعوذ باللہ) میں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے ایسی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ل فرمائی۔

"وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ق وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا" (3)

"اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں اس (کتاب) سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اس کے علاوہ۔ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیں گے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ (بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے تو) اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد۔ پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال میں سخت مغموم رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ یت نازل فرمائی۔

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (4)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب

اس نے پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔"

جب ... معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف میں جو الفاظ کہے تھے۔ ان کو شیطانی کارروائی کہہ کر ان سے برأت کا اعلان کر دیا گیا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم کی وہ کارروائیاں دوبارہ شروع کر دیں جو اس واقعہ کی وجہ سے عارضی طور پر رک گئی تھیں۔

1.2- اس من گھڑت واقعہ کو مستشرقین نے کن اہداف کے لئے استعمال کیا؟

مستشرقین نے اس افسانے کو اپنی مذموم تحقیقات میں خوب استعمال کیا ہے وہ اس واقعہ سے درج ذیل چیزیں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1.3 - اسلام ہمیشہ ایک توحیدی مذہب نہیں رہا

منٹگمری واٹ اپنی کتاب "محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین" میں لکھتا ہے۔

"یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم عصر زیادہ روشن خیال مسلمانوں کے عقیدے کو مبہم توحید کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے"۔ (5)

1.4- نعوذ باللہ پیغمبر اسلام شرک کو جواز مہیا کرتا رہا

مستشرق مذکور منٹگمری واٹ اس من گھڑت واقعے کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"This is a strange and surprising story. The prophet of the most uncompromisingly monotheistic religion seems to be authorizing ploytheism. Indeed the story is so strange that it must be true in essentials. It is unthinkable that anyone should have invented such a story and persuaded. The vast body of

Muslims to accept it."(6)

''یہ ایک عجیب اور حیران کن کہانی ہے اصولوں پر سودا بازی نہ کرنے والے توحیدی مذہب کا پیغمبر، شرک کو جواز مہیا کرتا نظر آتا ہے۔ البتہ کہانی اتنی حیران کن ہے کہ اس کی بنیادی باتیں ضرور سچی ہوں گی۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص نے یہ کہانی تراشی ہو اور پھر مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو اس کہانی کو قبول کرنے کی طرف مائل کر لیا ہو''۔

1.5- اس من گھڑت واقعے سے یہ تاثر دینا کہ ناسخ ومنسوخ کا دائرہ لامحدود اور کبھی کبھی عقائد بھی اس کے زد میں آتے ہیں

واٹ اس کہانی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت قرآن کے کسی حصے میں ایسی آیات تلاوت کی تھیں جن میں بتوں کی شفاعت کے عقیدے کو تسلیم کیا گیا تھا اور دوسری یہ کہ بعد میں ان آیات کو منسوخ کر دیا گیا۔ منٹگمری واٹ کا یہ زعم اس کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"At some times Muhammad must have recited as part of the Quran certain verses which apparently parmited intercession to idols one version of these is:

Did you consider al Lat and al-uzza and al Manat. the third, the other? those are the swans exalted:

Their intercession is expected:

Their likes are not neglected:

Then, some time later, ge received another revelation cancelling the last three verses here and substituting others from them:

Did you consider al-lat and al-uzza and al-mamat , the third, the other? For you males and for him females? That would be unfair sharing. The are but names you and your fathers named.

God revealed no authority for them. they follow only opinion and their souls fancies. though from their lord there has come to them guidence" (7)

"یہ بات یقینی ہے کہ کسی وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن کے حصے کے طور پر کچھ آیات پڑھیں جن میں بظاہر بتوں کی شفاعت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ آیات یہ تھیں۔

کیا تم نے غور کیا لات اور عزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ وہ شاندار پرندے ہیں۔ ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے اور ان جیسی چیزوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا پھر کچھ عرصہ بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک اور وحی آئی جس نے مذکورہ بالا وحی کی آخری تین آیتوں کو منسوخ کر دیا اور ان کے بدلے میں دوسری آیتیں نازل ہوئیں جو یہ ہیں۔

"کیا تم نے غور کیا لات اور عزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں، یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر اپنے گمان اور اپنے خیال کی حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ گئی ہے۔"

مستشرق مذکور نے ناسخ اور منسوخ کا یہ افسانہ اپنے دماغ اور تخیل باطل سے گھڑا ہے تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔

اصل میں وہ قرآن پر ایک خطرناک وار کرنا چاہتا ہے وہ مسلمانوں کے نزدیک مسلم ناسخ و منسوخ کی اصطلاحوں کو اپنی مرضی کے معنی پہنانا چاہتا ہے اور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ناسخ و منسوخ کا دائرہ لامحدود ہے اور عقائد بھی اس کے دائرے سے باہر نہیں۔ حالانکہ عقائد مسلمانوں کے نزدیک ناسخ و منسوخ کے دائرہ سے خارج ہیں۔

2- قرآن کی روشنی میں اس افسانے کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کوئی ایسا اختیار نہیں دیا کہ وہ زبردستی کسی انسان کو پکڑ کر گمراہی کے گڑھے میں پھینک دے اور خاص کر انبیاء علیہ السلام تو شیطان کی چالوں سے معصوم ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا "(8) (جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں ہو سکتا اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے لئے)

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور رسل کا خصوصی حفاظت کرتے ہیں اور جو کتابیں اور ہدایت اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے نازل فرماتے ہیں۔ تو اس میں دخل اندازی کرنا یا اس کی روشنی کو دھندلا کرنا قطعاً شیطان کے بس سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی روشنی کو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک رکھنے کے لئے خصوصی انتظام فرمایا ہے۔

"اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا" (9)

"تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔"

اور اس ہدایت کی حفاظت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ تو اور بھی سخت کر دیا گیا۔ جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمانوں پر ہونے والی گفتگو سن سکتے لیکن اب تو ان کے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے قرآن کریم نے اس حقیقت کو جنوں کی زبانی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ○ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا'' (10)

''اور سنو! ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔''

آسمان کی حفاظت کا جو یہ اہتمام کیا گیا اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ آسمانی ہدایت کو ہر قسم کی دخل اندازی سے پاک رکھے۔ اس وحی میں نہ تو جنوں اور شیاطین کو کسی قسم کی دخل اندازی کی جرأت تھی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیر و تبدل کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

'' قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ'' (11)

''کہہ دیجئے۔ مجھے اختیار نہیں کہ رد و بدل کر دوں اس میں اپنی مرضی سے۔ میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) مگر وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے۔''

قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس حقیقت کو اتنے پر جلال انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اسے دیکھ کر انسان کانپ اٹھتا ہے۔

''وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۝ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ ۝ فَمَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِیۡنَ'' (12)

''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔

جس کتاب کی حفاظت کے لیے خود پروردگار عالم نے اتنے انتظامات فرمائے ان تمام راستوں کو ہی مسدود کر دیا جن کے ذریعے ابلیس اور اس کی ذریت کسی بھی حیثیت میں اس مقدس کلام میں دخل اندازی کر سکے۔ جس کے متعلق پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو اتنے سخت الفاظ میں تنبیہات فرمائیں کس طرح ممکن ہے کہ شیطان رذیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک پر ایسے کلمات جاری کر دے جو قرآن کریم اور اصول رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے متصادم ہوں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

''اِنَّ الْاُمَّةَ اَجْمَعَتْ فِيْمَا طَرِيْقُهُ الْبَلاغُ اَنَّه مَعْصُوْمٌ فِيْهِ مِنَ الْاِضْمَارِ عَنْ شَيْئٍ بِخَلَافِ مَاهُوَ عَلَيْهِ لَا قَصْداً وَّلَا عَمَداً وَّلَا سَهْواً وَلَا غَلَطاً'' (13)

''امت کا اجماع اس پر ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز غلطی نہیں ہو سکتی نہ قصداً نہ عملاً، نہ سہواً اور نہ غلطاً، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی غلطی سے معصوم ہیں''۔

یہ قصہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے متصادم ہے خاص اس آیت سے ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ''(14) (بے شک ہم نے ہی اتارا ہے اس قرآن کریم کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اور قصہ غرانیق کے متعلق وہ روایات جو خداوند کریم کے واضح اعلان سے متصادم ہیں وہ زندیقوں کی اختراع ہیں۔

2.1- جس صحابیؓ کی طرف اس قصے کی روایت کی نسبت کی جارہی ہے وہ اس افسانے کے وقوع پذیر ہونے کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے

اس واقعے کو جس طرح روایات میں بیان کیا گیا ہے اگر یہ ایسے ہی پیش آیا ہوتا تو یہ واقعہ مکہ کا ایک تاریخی واقعہ ہوتا اور زبان زد خاص و عام ہوتا متعدد صحابہ کرام اسے بیان کر لیتے لیکن اس قصے کو بیان کرنے والی روایات کی اسناد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے علاوہ اور کسی بھی صحابی سے مروی نہیں ساتھ ہی تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی عمر ہجرت کے وقت صرف تین سال تھی۔ گویا بعثت کے پانچویں

سال ان روایات کے مطابق یہ واقعہ پیش آیا اس وقت تو آپؓ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے یہ بات تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپؓ اس واقعہ کے عینی شاہد نہ تھے۔ یہ واقعہ اختراع کرنے والے زندیقوں کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ یہ غور کر لیں کہ جس سال وہ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کو بیان کر رہے ہیں اس سال عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ولادت بھی ہو چکی تھی یا نہیں۔

2.2-اس واقعہ کی سند کی حقیقت یہ ہے

اکثر علماء محققین نے بڑے پرزور طریقے سے ان روایات کو غلط ثابت کیا ہے امام محمد ابن اسحاق بن خزیمہ سے جب اس واقعے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے فرمایا: کہ یہ زنادقہ کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔(15)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ''هٰذِهِ الْقِصَّةُ غَيْرُ ثَابِتَةٍ مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ'' (16) یہ قصہ از روئے نقل ثابت نہیں۔

اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو کتب صحاح کے مصنفین میں سے کسی نے بیان نہیں کیا اور نہ ہی ثقہ راویوں نے اس کو صحیح اور متصل سند سے روایت کیا ہے، اس قصہ کو بعض مورخین مفسرین اور ایسے لوگوں نے بیان کیا ہے جو ہر عجیب وغریب بات کو اپنی تحریروں میں بیان کر دیتے ہیں اور جن مفسرین اور تابعین سے یہ قصہ مروی ہے ان میں کسی نے بھی اس کو صحابی سے متصل سند کے ساتھ روایت نہیں کیا۔ طرق جن سے یہ قصہ مروی ہے وہ بہت زیادہ ضعیف ہیں۔ (17)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی صرف ایک سند مرفوع ہے جو یہ ہے:

''شعبة عن ابی البشرعن سعيد بن جبير عن ابن عباس فيما احسب'' قاضی عیاض ابوبکر رازی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس روایت کو مذکورہ سند کے بغیر کسی متصل سند سے روایت نہیں کیا گیا۔ اس سند میں ''فیما احسب'' (یعنی میرا خیال ہے) کے الفاظ خود اس کو کمزور کر رہے ہیں کیونکہ یہ الفاظ حدیث متصل

ہونے میں شک کا اظہار کر رہے ہیں اور اس شک کی موجودگی میں نہ ان پر اعتماد ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حقیقت ہے۔

آگے فرماتے ہیں اس روایت کی ایک سند، کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس بھی متعارف ہے لیکن جہاں تک کلبی کی حدیث کا تعلق ہے تو کلبی تو ایسا شخص ہے جس کے ضعف اور کذب کی وجہ سے نہ تو اس سے روایت جائز ہے اور نہ ہی اس کا ذکر کرنا صحیح ہے۔ (18)

امام ابو منصور الماتریدی نے اس قصہ کو موضوع قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں!

"تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلیٰ مِنْ جُمْلَةِ اِیْحَاءِ الشَّیْطٰنِ اِلیٰ اَوْلِیَآئِہٖ مِنَ الزَّنَادِقَةِ حَتیٰ یُلْقُوْا بَیْنَ الضُّعَفَاءِ وَاَرِقَّاءِ الدِّیْنِ لِیَرْتَابُوْا فِیْ صِحَةِ الدِّیْنِ وَالرِّسَالَةُ بَرِیْئَةٌ مِنْ مِثْلِ ھٰذِہ الرِّوَیَةِ" (19)

غرانیق کا قصہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان ان زندیقوں کے دلوں میں ڈالتا ہے جو اس کے ساتھی ہیں تاکہ وہ انہیں کمزور ایمان والوں میں پھیلائیں اور ان کی نظر میں دین کو مشکوک بنائیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے ضعیف اور موضوع روایات سے بری الذمہ ہیں۔

اس قصے کے صرف اسناد ہی نا قابل اعتماد نہیں بلکہ اس کے متن میں اتنا اضطراب ہے کہ اس اضطراب کی وجہ سے اس واقعے یا قصے کی کوئی حقیقت نہیں کسی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یہ الفاظ حالت نماز میں نکلے اور کچھ روایات کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے مخاطب تھے۔ جب یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری ہوئے کسی روایت میں ہے کہ آپ پر اونگھ طاری ہوگئی اور اس حالت میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے اور کوئی روایت میں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوا اور بھول کر آپ نے یہ الفاظ کہہ دیئے کسی روایت میں ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں یہ الفاظ خود کہہ دیئے تھے وغیرہ وغیرہ۔

3- مستشرقین کی خدمت میں ایک عرض اور ایک کمزوری کی نشان دہی

مسلمان کسی واقعے کی حقیقت کو پرکھنے کے لیے دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔

ا: روایت کی سند کی صحت کو دیکھنا

۲: روایت کی متن کی ہر قسم کی علتوں سے پاک ہونا۔

اگر سند اور متن میں کمزوریاں ہوں تو ان کمزوریوں کی نوعیت کے مطابق اس خبر پر حکم لگاتے ہیں اس طرح یا تو روایت کو کلیۃً تسلیم کرتے ہیں یا کلیۃً مسترد کرتے ہیں یا اسے ایسی خبر قرار دیتے ہیں جس کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ غلط ہونے کے امکانات بھی ہیں۔

مستشرقین کے ہاں کسی خبر کو پرکھنے کے لیے سند کو پرکھنے کا رواج نہیں حالانکہ خبر کی صداقت کی پہلی کسوٹی مخبر کی صداقت ہی ہوتی ہے ان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ مذہبی میدان میں جن خبروں پر ایمان لاتے ہیں ان کے بارے میں ان کو نہ تو یہ پتہ ہے کہ وہ خبریں دینے والے کون ہیں اور نہ ان خبروں کے دینے والے لوگ کے کردار کے بارے میں جانتے ہیں۔ اپنی اس کمزوری کی وجہ سے وہ خبر کی صحت پرکھنے کے اس نظام ہی کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ گویا جس خوبی سے ان کا اپنا مذہب محروم ہے۔ وہ اس خوبی کو اسلام میں بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

روایت کو پرکھنے کا دوسرا طریقہ متن کی جانچ پڑتال ہے اور اس طریقے کو مستشرقین بھی استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک خبر کو پرکھنے کا واحد طریقہ یہی ہے۔

مسلمانوں نے دونوں کسوٹیوں پر پرکھ کر اس قصہ کو جھوٹا ثابت کیا ہے اور ایک مدلل انداز میں اس کو مسترد کیا۔ مستشرقین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ان کے کچھ ہمنوا مستشرقین نے "فنسنک" کی نگرانی میں صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر تین معتبر کتابوں کا جو اشاریہ "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث" کے نام سے مرتب کیا ہے اس میں اس روایت کا کوئی حوالہ نہیں گویا انہوں نے جن نو کتابوں کو خود منتخب کیا ہے وہ اس قصے کے بیان سے پاک ہیں جب یہ قصہ عقلاً و نقلاً دونوں طور پر نا قابل اعتبار ہے تو پھر اس کو قابل اعتبار سمجھنے اور اسی کی بنیاد پر اپنے مزعومات اور تخیلات

کا محل تعبیر کرنے کا مستشرقین کے پاس کیا جواز ہے۔

4 - وحی قرآنی کی روح اور شکل کو مسخ کرنا

مستشرقین قرآنی وحی پر جو اعتراضات کئے ہیں اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وحی قرآنی کی روح اور شکل کو مسخ کریں۔ مثلاً منٹگمری واٹ کہتے ہیں سارا قرآن کریم جبریل امین کے ذریعے نازل نہیں بلکہ یہ تصور تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کا ہے اور کہتے ہیں کہ قرآن میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ سارا قرآن کریم جبریل امین کے ذریعے نازل ہوا واٹ صاحب کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

"After the third maner. with gabrielas the massenger, was taken to be the normal or standared one, Muslims schlars tended to read this back into early passages where the manner was probably different in the Meccan period, however, messengers other than Gabriel were spoken of sometimes there is mention of the spirit, by itself , when this last was accepted as normal by later Muslims, the spirit was identified with Gabriel, thought there is no direct evidence for this in the Quran." (19)

''اس کے بعد وحی کا تیسرا طریقہ جس میں جبرئیل کو وحی لانے والا فرشتہ تسلیم کیا گیا ہے قرآن کے نزول کا تسلیم شدہ طریقہ قرار پایا گیا تو مسلمان علماء نے اس طریقے کو قرآن کی ابتداء میں نازل ہونے والے حصے پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کی۔ جس کے نزول کا ذریعہ غالباً مختلف تھا مکی سورتوں میں جبرئیل کے علاوہ دیگر فرشتوں کا ذکر ملتا ہے کئی مقامات پر خود ''روح'' کو جبرئیل قرار دیدیا گیا حالانکہ قرآن میں اس کی کوئی براہ راست شہادت موجود نہیں۔''

واٹ نے جس طرح قرآن کریم پر تبصرے کیے ہیں اس سے اس بات میں شک نہیں رہتا کہ انہوں نے سارے قرآن کریم کا دقیق نظر سے مطالعہ کیا ورنہ وہ یہ نہ کہہ سکتے کہ مکی قرآن میں جبرئیل کا کہیں ذکر نہیں اور وہ یہ دعویٰ نہ کر سکتے کہ قرآن کریم میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں کہ سارا قرآن جبرئیل کے ذریعے نازل ہوا۔

واٹ صاحب اگر قرآن کریم امعان نظر سے مطالعہ کریں تو ان کو قرآن کریم میں یہ آیت نظر آجاتی ہے۔

"قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ" (20)

"کہہ دیجیے، جو دشمن ہو جبریل کا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے اتارا قرآن کریم آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

یہ آیت سورۃ بقرۃ کی ہے جو مدنی ہے لیکن یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سارا قرآن کریم خواہ مکی ہو خواہ مدنی وہ جبرائیل امین لے کر نازل ہوئے۔ جب یہاں حضرت جبرائیل امینؑ کا نام لے کر وضاحت کر دی گئی کہ سارا قرآن کریم لے کر وہ نازل ہوئے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ جن آیات میں نزول قرآن کی نسبت روح القدس، الرسول الأمین یا الرسول الکریم کی طرف کی گئی ہے وہاں یہ سب نام حضرت جبرائیل امین علیہ السلامؑ کے القاب کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

واٹ نے اس حقیقت کو اپنے اصول تحقیق کے ذریعے دریافت کی کہ جبرائیل کا لفظ ان سورتوں میں نہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ لیکن کیا واٹ صاحب نے یہاں ان آیات کریمات کو نہیں پڑھا۔

"اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ" (21)

"یہ قرآن کریم ایک معزز قاصد کا لایا ہوا قول ہے جو قوت والا ہے۔ رب عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ فرشتوں کا سردار اور وحی کا امین ہے۔"

شاید واٹ صاحب کی نظروں سے یہ آیت بھی گزری ہوگی۔

"قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ" (22)

"کہہ دیجیے! نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ" اور سورہ شعراء

میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ" (23) اترا ہے اسے لے کر روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ صلی علیہ وسلم کے قلب پر تا کہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔

یہ آیات کریمات سورۃ تکویر سورہ النحل اور سورہ الشعراء کے ہیں اور تینوں مکی سورتیں ہیں۔ ان سورتوں میں وحی لانے والے کو الرسول کریم، روح القدس اور روح الامین کہا گیا ہے اور علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ تمام جبرئیل امین کے القاب ہیں اور امت مسلمہ کے علماء مفسرین قرآن کریم کے مفاہیم اور تفاسیر کو واٹ صاحب کی نسبت بہت زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

5: قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دینا

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ بعض مستشرقین کا بنیادی مقصد قرآن کریم کو غیر خدائی کتاب ثابت کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی ذیلی اہداف تھے جن میں ایک قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دینا ہے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے وہی اسلوب اپنایا جو نزول قرآن کے وقت مکہ کے عربوں نے اپنایا تھا۔

جس کو قرآن کریم نے اس طرح واضح کیا ہے:

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ" (24)

"اور کہتے ہیں کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے۔"

"وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" (25)

''کفار نے کہا یہ قرآن تو پہلے اقوام کی افسانے ہیں اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں اور پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح اور شام۔''

جو انداز کفار مکہ کا تھا وہی انداز آج کے مستشرقین کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ کفار مکہ میں اکثر امی اور ان پڑھ تھے اور مستشرقین تو تحقیق اور اصول تحقیق کے ماہر مانے جاتے ہیں مستشرق جارج سیل قرآن کریم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار انہی الفاظ میں کرتے ہیں۔

''قرآن کریم میں بیان ہونے والے قصے اور کہانیاں عہد نامہ قدیم اور جدید سے لئے گئے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کہانیاں ان غیر مستند انجیلوں اور روایات سے لی گئی ہیں جو اس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھی۔ ان قصوں کو بائبل کے بیانات کے برخلاف حقائق کی شکل میں قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے صحف سماوی میں تحریف کر دی تھی مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں ایسے بیانات یا حالات یا تو کلیۃً مفقود ہیں یا بالکل کم ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں پیش کیے ہوں کیونکہ ان بیانات کے اکثر حصے کو قرآن کریم سے پہلے مصادر میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔'' (26)

آگے لکھتا ہے۔

''اس میں اختلاف نہیں کہ قرآن کریم کا مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قوم کی مدد مہیا کرنیوالے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اس الزام کو ثابت کرنے میں ناکام رہے۔ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم

) نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا"۔ (27)

واٹ صاحب کا انداز تحقیق تو کچھ اور ہے اسلامی تعلیمات پر یہودی اور نصرانی تعلیمات کی چھاپ ظاہر کرنے کی کوشش میں اس طرح رقمطراز ہے۔

"قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعث بعد الموت اور یوم حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظام توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے"۔ (28)

مستشرقین کی ان تحریروں سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ قرآن کریم کلام خداوندی نہیں ہے۔لیکن پھر یہ ہے کیا اور اس کا مصدر کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے انہوں نے کئی مفروضے قائم کی ہیں۔

جارج سیل نے یہ مفروضہ قائم کیا کہ جن لوگوں کے زمانے میں یہ قرآن نازل ہوا تھا انہوں نے بھی اس کے بشری الاصل ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔لیکن ساتھ ساتھ سیل صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اپنے اس اعتراض میں ناکام ہوئے تھے اور پھر ان لوگوں کی ناکامی کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معلومات مہیا کرنے والے لوگوں کے ساتھ اپنے رابطوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ مخفی رکھا تھا اور آپ کے مخالفین آپ کی ان احتیاطی تدابیر کی وجہ سے اس بات کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے کہ وہ لوگ کون ہیں جو آپ کو معلومات مہیا کرتے ہیں۔

مستشرق واٹ کبھی مکہ کی طبقاتی کشمکش کو قرآن کریم کا منبع قرار دیتا ہے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخلیقی تخیل کو کبھی وہ قرآن کریم کے ڈانڈے ان اہل کتاب کے ساتھ ملاتا ہے جو اطراف و اکناف سے مختلف مقاصد کے تحت مکہ آتے تھے اور کبھی وہ مکہ کے ذہنی ماحول کو قرآن کریم کا مصدر و منبع قرار دیتا ہے۔

جس طرح مستشرقین قرآن کریم کو انسانی کلام ثابت کرنے کے لیے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں کفار مکہ بھی اسی قسم کی باتیں کرتے تھے۔ جس طرح مستشرقین کو بات کہتے ہوئے مطلقاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کی بات کتنی کھوکھلی اور بے وزن ہے مشرکین کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ '' (29)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن کریم ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور قرآن فصیح و بلیغ عربی میں ہے۔''

اور اس کلام پاک میں اتنی قوت ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے زبان دان اس کی عظمت کا اعتراف کر چکے ہیں جس کلام نے مکے والوں کو یوں عاجز کر دیا اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی انسان سکھاتا ہے لیکن وہ سکھانے والا کون ہے؟ کون کہتا ہے وہ بلعام لوہار ہے اور کوئی کہتا ہے وہ بنی مغیرہ کا غلام یعیش ہے اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ اس معجز کلام کو منسوب کرتے ہیں وہ سب کے سب عجمی ہیں۔ کسی کی مادری زبان عربی نہیں وہ سب غلام ہیں اور ان میں سے اکثر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔

مستشرقین کبھی بحیرٰی راہب کو کبھی شام اور یمن سے مکہ سے تجارت کے لئے آنے والے عیسائیوں کو اور کبھی مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی کی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم قرار دیتے ہیں قرآن کریم نے جو بات کفار مکہ سے کہی تھی ہم وہی بات اور جواب مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر بحیرٰی راہب یا دوسرا کوئی عیسائی یا یہودی اتنا بڑا عالم تھا تو اسے خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے اپنا نام زندہ جاوید کر لیتے۔

مستشرقین تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام اور قرآنی تعلیمات یہودیت اور عیسائیت سے ماخوذ شدہ ہیں ان کو تو وضاحت کرنا چاہیے کہ قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو بائیبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے سکھائی تھیں۔

ہم مستشرقین کی خدمت میں یہ بھی گزارش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ انبیائے سابقین پر نازل ہونے والے صحائف کی مخالفت اور تردید کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ ان کی تصدیق کرنے والا اور محافظ بن کر نازل ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ" (30)

"اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے اور اس سے پہلے آسمانی کتب ہے اور محافظ ہے اس پر۔"

اگر یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف نہ کر دی ہوتی تو آج قرآن، تورات اور انجیل میں تضاد نظر نہ آتا بلکہ یہ سب ایک دوسری کی تصدیق کرتیں مستشرقین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم عہد نامہ جدید کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے نہ تو بائبل کے تمام بیانات کی تصدیق کی ہے اور نہ ہی تردید، قرآن کریم نے جہاں عہد نام جدید و قدیم کے بیانات کی تردید کی ہے وہاں اس تردید کے لیے بڑے پر زور اور مسکت للخصم دلائل پیش کیے ہیں۔

مستشرقین ہمیں یہ بتائیں کہ مکہ کے امی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قوت استدلال کہاں سے ملی تھی؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر اور رسول نہیں تھا تو نجران کے عیسائی عالموں کا وفد جو مدینہ آیا تھا وہ آپ کو مناظرے میں لاجواب کیوں نہ کر سکا تھا؟ اور مدینہ کے یہودی جو اپنی علمیت پر نازاں تھے وہ اسے مناظرانہ گفتگو میں زیر کیوں نہ کر سکے تھے وفد نجرانؓ کے عیسائی عالم کیوں مباہلے سے بھاگ نکلے؟

خود آزمائی

1- مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے اہداف پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے۔

2- افسانوی اور موضوع روایات کے ذریعے قرآنی اور اسلامی عقائد مستشرقین کس طرح مشکوک بناتے ہیں۔

3- قصہ غرانیق کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

4- مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دیجئے کہ اسلام ہمیشہ ایک توحیدی مذہب نہیں رہا۔

5- قصہ غرانیق کی سند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

حوالہ جات

1: الطبری، جامع البیان، ج ۱۷، ص ۱۸۶، الدر المنثور، ج ۴، ص ۳۶۷

2: سورۃ نجم: ۱۹......۲۰

3: بنی اسرائیل: ۷۳......۷۵

4: سورۃ الحج: ۵۲

5: محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص ۶۲

6: ایضاً، ص ۶۱

7: ایضاً، ص ۶۰

8: بنی اسرائیل: ۶۵

9: سورۃ الجن: ۲۷......۲۸

10: سورۃ الجن: ۸......۹

11: سورہ یونس: ۱۵

12: سورۃ الحاقۃ: ۴۴......۴۷

13: قاضی عیاض، الشفا فی حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۲۶

14: سورۃ الحجر: ۹

15: السیوطی ''الدرالمنثور'' ج ۴، ص ۳۶۶

16: الاسرائیلیات والموضوعات، محمد بن محمد ابوشھبۃ، ص ۳۱۵

17: ایضاً، ص ۳۱۵

18: ایضاً، ص ۳۱۵

19: Muhammad at Mecca, Page 63

20: سورۃ البقرۃ: ۹۷

21: سورۃ التکویر: ۱۹......۲۱

22: سورۃ النحل: ۱۰۲

23: سورۃ الشعراء: ۱۹۳

24: سورۃ الفرقان: ۴

25: سورۃ الفرقان: ۵

26: The Koran , Page 49

27: Ibd - Page 50

28: محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص ۴۰

29: سورۃ النحل: ۱۰۳

30: سورۃ المائدہ: ۴۸

یونٹ 8

قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر باقر خان خاکوانی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

مستشرقین نے قرآن کریم پر مختلف اعتراضات کیئے ہیں۔لیکن جہاں تک ان کی نفس محنت اور لگن کا سوال ہے تو کسی بھی انصاف پسند کے لیے اس اعتراف کے بغیر چارہ نہیں کہ انہوں نے اسلامی علوم وفنون میں بہت سے موضوعات پر کام کیا۔

قرآن کریم سے متعلق مستشرقین کی کیا اور کتنی کوششیں ہیں یہ معلوم کرنا ایک دشوار کام ہے کم از کم اردو میں اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر مواد نہیں یہاں کچھ مختلف مآخذ اور منتشر مواد سے استفادہ کیا گیا ہے جسے اگرچہ مکمل نہ کہا جا سکے لیکن پھر بھی کسی حد تک مستشرقین کی قرآن سے متعلق تصنیفات کا کچھ احاطہ ہو گیا ہے۔

مستشرقین کے ناموں کے صحیح تلفظ کے مقصد کے لیے ساتھ ہی انگریزی نام بھی درج کر دیا گیا ہے ان کی پیدائش اور وفات کی سنین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے جن کے بارے میں کچھ علم نہیں ہو سکا وہاں (س،ن) لکھ کر بیاض چھوڑ دی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قرآن اور تفسیر کے متعلق مستشرقین کی کوششوں کا اندازہ کر سکیں۔

2- مختلف قرآنی موضوعات پر مستشرقین کے کام سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

3- یورپ کے پادری مستشرقین کے کام کے بارے میں جان سکیں۔

4- جرمن، اٹالوی، فرانسیسی، برطانوی، امریکی اور دیگر یورپین ممالک کے مستشرقین کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

5- کچھ دور حاضر کے مستشرقین کے بارے میں جان سکیں۔

قرآنیات پر مستشرقین کی مؤلفات کا مختصر تعارف

قرآن کریم سے متعلق مستشرقین کی کیا اور کتنی کوششیں ہیں، یہ معلوم کرنا ایک دشوار کام ہے۔ کم از کم اردو میں اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر مواد نہیں ملتا۔ تاہم اس یونٹ کی تیاری میں المستشرقون، نجیب العقیقی، الاعلام زرکلی، جائزۂ تراجم قرآن محمد سالم قاسمی، سید عبدالرؤف عالی، سید محبوب رضوی، فرانسیسی میں تراجم قرآنی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ اور مغرب میں اسلام کا مطالعہ ڈاکٹر خالد مسعود مطبوعہ فکر ونظر اسلام آباد سے خصوصی استفادہ کر کے منتشر مواد سے یہ فہرست تیار کی گئی ہے۔ مستشرقین کے ناموں کے صحیح تلفظ کے لئے ساتھ ہی انگریزی نام بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔

1- پادری مستشرقین

قرآن کریم کے افکار ونظریات اور اس کی تعلیمات سے مغربی دنیا کے نہ صرف سکالرز، مصنفین و محققین نے رہنمائی حاصل کی بلکہ مغربی دنیا کے پادریوں نے بھی اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ ذیل میں چند پادری مستشرقین کے ناموں کی فہرست ہے جنھوں نے قرآن کریم کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔

نام	ولادت/وفات	کیفیت
۱: جیمس پی جے Jamies P. J	ولادت ۱۹۱۴ء	قرآن سے متعلق متعدد مقالات لکھے۔ ۱: قرآن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ طبع دوم ۲: "مصر کے معمولات زندگی میں قرآنی تعلیمات کی جھلکیاں" تونس ۱۹۵۲ء ۳: "مجلّہ المنار کا قرآنی تعلیقات پر ایک نظر" پیرس ۱۹۵۴ء
۲: پادری ڈاکٹر ٹسڈل Dr. Tisdil	س۔ن	"مآخذ القرآن" کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جس اردو ترجمہ ماہنامہ نگار لکھنو جنوری ۱۹۴۵ء میں شائع کیا گیا۔
۳: پادری لامنس Lammens P.H	۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۷ء	۱: "قرآن وحدیث" مقالہ مباحث العلوم الدینیہ ۱۹۱۰ء ۲: "خصائص محمد" ایضاً ۱۹۳۰ء
۴: پادری لاتور Lator P.E.T.	س۔ن	قرآن کریم کا دو (۲) زبانوں میں ترجمہ کیا ۱۹۴۵ء اور دیگر مقالات لکھے ۱۹۴۵

2- جرمن مستشرقین

جرمن وسطی یورپ کی سب سے بڑی قوم ہیں۔ انہوں نے یورپ کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ قرون وسطی کی مقدس سلطنت کی اصل قوت جرمن تھے۔ ترکی کے محکمہ مذہبی امور کے جریدے کے مطابق ۱۹۷۹ء میں وفاقی جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ لاکھ تھی۔ جب کہ مسیحی مسلمان تعلقات کے ادارے نے ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد سترہ لاکھ بتائی ہے۔ ذیل میں کچھ جرمن مستشرقین کا ذکر ہو رہا ہے جنھوں نے قرآن اور قرآنی علوم پر کام کیا ہے۔

۱: فلوگیل جی Flugel G	۱۸۰۲ء تا ۱۸۷۰ء	قرآن کریم کا انڈکس تیار کیا بعض خامیوں کی وجہ سے مقبول عام نہ ہو سکا۔
۲: فلاشیر ایچ ایل Fleischer H.L	۱۸۰۱ء تا ۱۸۸۸ء	تفسیر بیضاوی "انوار التنزیل فی اسرار التأویل" کا ترجمہ کیا۔
۳: سیمون فائل Weil S	۱۸۰۸ء تا ۱۸۸۹ء	"قرآن میں توریت کا تذکرہ" تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۵ء
۴: فرانکیل ایس Freankel S	۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۹ء	"قرآن میں غیر عربی الفاظ" مقالہ برائے ڈاکٹریٹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء
۵: بارتھ جے Barth J	۱۸۵۱ء تا ۱۹۱۴ء	"قرآن کا ایک تعارف" مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۱۸ء
۶: ویل ہاؤزن جے Well Hausen	۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۸ء	"قرآن کیا ہے" مقالہ مطبوعہ مجلہ الشرقیہ الالمانیہ ۱۹۱۳ء

۷: الیف شوالی F. Schwally	۱۸۸۳ء تا ۱۹۱۹ء	"قرآن کا ایک مطالعہ" مقالہ مطبوعہ تکریم زاخاؤ ۱۹۱۵ء نولدیکی کی کتاب "نصوص قرآن کی تاریخ" پر تحقیق نظر ڈالی اور اس کو شائع کیا۔
۸: سیبولڈ سی ایف Seyblod C. F.	۱۸۵۹ء تا ۱۹۲۱ء	"کتب تفاسیر قرآن" مقالہ مطبوعہ تکریم زخاؤ ۱۹۱۵ء
۹: نولدیکی ٹی ایچ Noldeke T.H.	۱۸۴۲ء تا ۱۹۳۰	"نصوص قرآن کی تاریخ" تصنیف مطبوعہ ۱۸۶۰ء ودیگر مقالات
۱۰: سچاؤ ای Szchau E	۱۸۴۵ء تا ۱۹۳۰	قرآن کی سورتوں کو اپنے طور سے ترتیب قائم کی، مطبوعہ ۱۹۲۸ء
۱۱: جوزف ہوروپٹز Horovitz J	۱۸۷۴ء تا ۱۹۳۱ء	"قرآن کے اشتقاقات" مقالہ "قرآن کا تعارف" مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۲۳
۱۲: کارل ہنری بیکر Backer C. H	۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۳ء	نولدیکی کی تحقیقات میں لغت قرآن کے قواعد، مقالہ مطبوعہ ۱۹۱۰ء
۱۳: برجسٹراسر جی Bergstrasser G	۱۸۸۶ء تا ۱۹۳۳ء	"قرآن میں حرف نفی کا استعمال" مقالہ برائے ڈاکٹریٹ مطبوعہ ۱۹۱۱ء طبع ثامن ۱۹۱۴ء "قرآن کے مشہور قراء اور ان کی سوانح" مقالہ ۱۹۱۲ء، "علم قرأت کی تاریخ" مقالہ
۱۴: ایچ ہرشفلڈ Hirschefeld H	۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۴ء	قرآن کی ترتیب کے بارے میں جدید تحقیقات، مقالہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۲ء

۱۵: اسپیئر ایچ Speyer H	۱۸۹۷ء تا ۱۹۳۵ء	''قرآن میں کتابیوں کے قصے'' تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۹ء
۱۶: پول سوارز Schwarz P	۱۸۶۷ء تا ۱۹۳۸ء	''غریب القرآن'' مقالہ، مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ
۱۷: بومسٹارک اے Baumstark A	ولادت ۱۸۷۱ء	''قرآن میں عیسائی عقائد کی تشریح'' مقالہ'' قرآن میں یہودیت اور نصرانیت'' مقالہ مطبوعہ مجلّہ الاسلام ۱۹۲۷ء
۱۸: ای ایزین Eisen E	س۔ن	ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب'' فضائل القرآن وآداب'' کی نشر واشاعت میں حصہ لیا۔
۱۹: پریٹسل او Pretzl O	۱۸۹۳ء تا ۱۹۴۱ء	''قرآنی علوم اور ان کے مراجع'' تصنیف'' علم قرأت کی تاریخ'' مقالہ نولدیکی کی کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا، دیگر بہت سے مقالات لکھے۔
۲۰: ارنیز کے Ahrens K	س۔ن	''قرآن میں نصرانی تعلیمات کے اثرات'' مقالہ مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ ۱۹۳۹ء
۲۱: گریم Grimme	۱۸۶۴ء تا ۱۹۴۲ء	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پادربون ۱۹۲۳ء
۲۲: میٹوچ اینگ Mittwocheng	۱۸۶۷ء تا ۱۹۴۲ء	امھری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔

۲۳: ای ریچلین Revchlin E	س۔ن	عبرانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور جرمن میں "شریعت کا قرآنی مفہوم" لکھا۔
۲۴: ماہیر ایڈ Mahler Ed	۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء	"دلیل القرآن" تصنیف مطبوعہ لینبرگ ۱۸۸۱ء طبع ثانی، پیرس ۱۹۲۵ء
۲۵: فیشر آیگ Fischer Aug	۱۸۶۵ء تا ۱۹۴۹ء	سورۃ القارعہ، التکاثر اور النجم پر مقالات لکھے، مطبوعہ مجلّہ الشرقیہ الالمانیہ
۲۶: اڈولف جروہمان A Jerhuman	س۔ن	"قرآن میں حضرت عیسیٰ کا تذکرہ" مقالہ مطبوعہ الصحیفہ الشرقیہ لفیلیا ۱۹۱۴ء
۲۷: پی ای کیل Kahle P. E.	س۔ن	"قرآن اور عربی زبان" مطبوعہ ذکریٰ گولڈ زیہر ۱۹۴۱ء
۲۸: ہرٹمن آر Hartmann R	س۔ن	"قرآن کی تفسیر" مقالہ مطبوعہ مجلّہ الآداب الشرقیہ ۱۹۲۴ء
۲۹: ریٹر ایچ Ritter H	س۔ن	"استنبول کی لائبریری میں قرآن واحادیث کی مطبوعات" مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۲۸ء و دیگر مقالات
۳۰: جوہان فوک Fuck J	س۔ن	قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۴۴ء "قرآن کا تعارف" مقالہ الآداب الشرقیہ ۱۹۳۳ء
۳۱: کوبیرٹ آر اے Kobert R. A.	س۔ن	"قرآن کی تفسیر" مقالہ مطبوعہ الاسلام ۱۹۴۸ء

۳۲: اے سپٹلر Spitaler A	س۔ن	''قرآن کا تعارف'' مقالہ مطبوعہ مؤتمر المستشرقین ۱۹۳۸ء
۳۳: جوئیٹین ایس ڈی Goitein S.D.	س۔ن	''قرآن میں نماز کا ذکر'' مقالہ
۳۴: مارٹن لوتھر Martin Lother	س۔ن	جرمنی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔
۳۵: ایس شویگر S. Schweigger	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا مطبوعہ نورمبرگ ۱۶۱۶ء، ۱۶۴۲ء
۳۶: جوہان لینگر Johun Langer	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا ہیمبرگ ۱۶۸۸ء
۳۷: ڈیوڈ نارٹر David Narreter	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ہمبرگ ۱۶۸۸ء
۳۸: آرنلڈ Arnold	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ ہمبرگ ۱۶۸۸ء
۳۹: مگ لین Magglein	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ فرانکفورٹ ۱۷۷۲ء
۴۰: اوکرٹ Owkart	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۸۳ء

۴۱: المان Alman	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۸۳ء
۴۲: ہننگ مگ Mag Heuning	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ سپنبرگ ۱۹۰۱ء
۴۳: گریگول ایف Grigeol F	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہال ۱۹۰۱ء
۴۴: ایم کلیمر وتھ M. Klamroth	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہمبرگ ۱۹۱۰ء
۴۵: گولڈ اسمتھ ایل L. Gold Schmith	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ برلن ۱۹۱۶ء
۴۶: روڈی باریٹ Rodi Bareat	س۔ن	جرمنی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بون ۱۹۶۵ء

3- اٹالوی مستشرقین

اٹلی کا رقبہ ایک لاکھ سولہ ہزار مربع میل اور آبادی ۱۹۶۸ء میں ۵ کروڑ ۷ لاکھ تھی دارالحکومت رومہ ہے جس کو روم بھی لکھا جاتا ہے ۔ رومیوں کی عظیم سلطنت جو زمانہ قبل مسیح کی ابتدائی صدیوں میں قائم ہوئی تھی اور پانچویں صدی عیسوی میں ختم ہوئی ۔ اس کا گہوارہ یہی شہر اور یہی ملک تھا۔ جس زمانے میں صقلیہ مسلمانوں کے پاس تھا اسی زمانے میں جنوبی اٹلی پر بھی مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کے بعد مسلمانوں کی آمد میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۹ء مسیحی مسلمان تعلقات کے ادارے کے مطابق اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی

گئی ہے۔ ترکی کے محکمہ امور مذہبی کے پرچہ دیانت گزٹ میں ۱۹۷۹ء میں اٹلی کے مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی گئی ہے۔ اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین جس نے قرآنیات پر کام کیا درج ذیل ہیں۔

۱:	پادری ذومینک جرمانوس Germanus P. D.	۱۵۸۸ء تا ۱۶۷۰ء	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مارانش کے ترجمہ قرآن کے بعد سب سے پہلا لاطینی ترجمہ ہے۔
۲:	پادری مارانشی Marracci P. L.	۱۶۱۲ء تا ۱۷۰۰ء	اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۳:	کارلونللینو Mallino Carlo	۱۸۷۲ء تا ۱۹۳۸ء	''قرآن سے ایک انتخاب'' کے نام سے کتاب لکھی، قرآن سے متعلق جاحظ اور اپنے خیالات کو جمع کیا۔
۴:	میکانجلو جویدی Guidi Michelan Gelo	۱۸۸۶ء تا ۱۹۴۶ء	''قرآن کے معتزلی تفسیر'' مقالہ مطبوعہ ۱۹۲۵ء (روما) اٹالوی انسائیکلوپیڈیا میں قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔
۵:	بونللی Bonelli Luig	۱۸۶۵ء تا ۱۹۴۷ء	اٹالوی میں قرآن کا حرفی ترجمہ کیا، ۱۹۲۹ء
۶:	برانکی Branchi		براہ راست عربی سے قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ روم ۱۹۱۳ء
۷:	فراکاسی اے Fracassi A		قرآن کا اٹالوی ترجمہ کیا، مطبوعہ میلان ۱۹۱۴ء
۸:	ایم مرینو M. Moreno	ولادت ۱۸۹۲ء	''مسلمانوں کے تراجم قرآن'' تصنیف مطبوعہ اشرف الحدیث ۱۹۲۵ء

۹: بوزانی Bousani A	س-ن	قرآن کا ترجمہ کیا اور قرآن کی تفسیر لکھی۔
۱۰: بوینچی Boneschi P	س-ن	''قرآن میں کسب واکتساب کے اعجازی معنی'' مقالہ مطبوعہ مجلّہ الدراسات الشرقیہ ۱۹۵۵ء
۱۱: شیر Gerleella G	س-ن	''لیبیا میں قرآنی درسگاہیں'' مقالہ مطبوعہ حولیات المعہد الشرقی ۱۹۴۳ء
۱۲: ورجینیا واکا Vacca Virginia	س-ن	''قرآن کی بعض آیتیں'' مقالہ
۱۳: رچرڈ بل Bell R.	س-ن	قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا نیز قرآن سے متعلق متعدد مقالے لکھے۔
۱۴: سی اے سٹوری Storex C.A.	س-ن	''قرآن کا ادب اور ان کی تاریخ'' تصنیف مطبوعہ لندن ۱۹۲۷ء
۱۵: بوکھارٹ ٹی Burrekhart T.	س-ن	''تورات انجیل اور قرآن، ایک تقابلی مطالعہ'' تصنیف مطبوعہ ۱۹۳۸ء
۱۶: جیمس روبسون Robson J.	س-ن	''اعجاز کے قرآنی مفہوم'' مقالہ مطبوعہ صحیفہ جمیعہ جلاسجو الشرقیہ ۱۹۳۹ء
۱۷: اے جے اربری Arberey A. J.	س-ن	قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۵ء طبع ثانی لندن ۱۹۵۹ء

۱۸: اے آر یوابین Arrivaben A.	س۔ن	لاطینی ترجمہ سے اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۵۴۷ء
۱۹: کلزہ Colza	س۔ن	اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۲۰: پنزیری Vinc Panzeri	س۔ن	اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ ۱۸۸۲ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء
۲۱: ویلینٹی ڈی Violanti D.	س۔ن	اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۱۲ء
۲۲: فروجو Frojo	س۔ن	اٹالوی میں قرآن کا ترجمہ کیا مطبوعہ ۱۹۲۸ء

4- فرانسیسی مستشرقین

فرانس عہد قدیم میں گال کہلاتا تھا سن عیسوی کے آغاز سے ذرا قبل مشہور فاتح جولیس سیزر نے اس کو رومی سلطنت کا ایک حصہ بنایا تھا فرانس نے حقیقی عروج سترہویں صدی میں لوئی چہاردہم کے دور میں حاصل کی، 1989ء میں فرانس میں انقلاب جو کہ بادشاہی نظام کے زوال اور جمہوریت کا پیش خیمہ ثابت ہوا، 1971ء میں صرف الجزائر کے سات لاکھ باشندے فرانس میں موجود تھے، 1981ء میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس بیس لاکھ پہنچ گئی تھی، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین کے نام جس نے قرآنیات پر کام کیا درجہ ذیل ہیں:

:1 پوسٹل Postel	۱۵۰۵ء تا ۱۵۸۱ء	" قرآن اور انجیل کی یکسانیت" تصنیف ۱۵۴۳ء قرآن کا فرنچ میں ترجمہ کیا مطبوعہ ۱۸۴۰ء، ۱۸۷۸ء
:۲ ہوڈاس او Houdas O.	۱۸۴۰ء تا ۱۹۱۶ء	قرآن مجید کے آخری ۶ سورتوں کا ترجمہ کیا۔
:۳ جوزف ہالیوی Halevy J	۱۸۲۷ء تا ۱۹۱۷	" قرآن میں سامری کا ذکر" مقالہ ۱۹۰۸ء
:۴ جریو آر Griveau R.		" قرآن کی ایک آیت کا مطالعہ" مقالہ ۱۹۱۴ء
:۵ مونتہ ای مانٹر Monter Ed	۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۷ء	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۲۹ء
:۶ ہیورٹ سی ایل Hurat C.L	۱۸۵۴ء تا ۱۹۲۷ء	" قرآن اور امیہ بن ابی صلت کے اشعار کے درمیان مناسبت کی وجوہ" تصنیف ۱۹۰۴ء، قرآن کی تفسیر لکھی، ۱۹۲۱ء
:۷ آرتھر جیو Guy Arthur	۱۸۷۴ء تا ۱۹۲۸ء	قرآن کی آخری سورت کا ترجمہ کیا ۱۸۶۴ء
:۸ پادری نو Nav P.F.	۱۸۶۴ء تا ۱۹۳۱ء	" قرآن میں نبی کا تصور" مقالہ ۱۹۲۷ء
:۹ سیدرسکی Sideriski		" قرآن میں قصے کہانیاں" انبیاء کی سیرتیں اور ان کا مآخذ" تصنیف ۱۹۲۳ء

۱۰: البارون کارادی فو Carra De Yan Bon	س۔ن	قرآن کی اشاعت میں حصہ لیا ۱۹۹۸ء
۱۱: ڈاکٹر مارڈورس Dr. Mardrus J.	۱۸۶۸ء تا ۱۹۴۹ء	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا ۱۹۲۶ء
۱۲: لیوی پرونسل Levi Provencal	۱۸۹۴ء تا ۱۹۵۶ء	"چودھویں صدی ہجری میں قرآن کی تفسیر" تصنیف ۱۹۲۱ء
۱۳: جان کینٹینو Cantineau J.	۱۸۹۹ء تا ۱۹۵۶ء	"دمشق اور جزائر میں قرآن کا مطالعہ" مقالات حولیات معہد الدراسات الشرقیہ، ۱۹۴۶ء
۱۴: لوئیس مرسیو جی Marsi G.	۱۸۸۳ء تا ۱۹۶۲ء	"اصحاب کہف کون تھے؟" مقالہ ۱۹۴۰ء
۱۵: ڈیریڈون جی Deredun G.	س۔ن	"خلیفہ مرتضٰی کے دور کے قرآن کے دو نسخے" مقالہ ۱۹۵۴ء
۱۶: کانرڈ ایم Conard M.	س۔ن	"قرآن کے بارے میں" مقالہ ۱۹۵۲ء
۱۷: بلاشیر ریثری Blachere R.	س۔ن	قرآن کے ترجمہ کیا، پیرس ۱۹۴۷ء
۱۸: کلرمون جانو Klarmon J.	س۔ن	"قرآن میں نفس کا تصور" مقالہ ۱۹۳۸ء

۱۹: نبٹورو سیو Rusue Nebto	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا جزوی ترجمہ کیا نایاب
۲۰: ڈورائر Dorayer	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہوا طبع چہارم ۱۷۱۶ء (اس ترجمہ سے متعدد مستشرقین نے استفادہ کیا ہے)
۲۱: ایم سیراری M. Sarary	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ کم از کم بیس ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔
۲۲: رینوڈ Reinaud	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا جزوی ترجمہ کیا۔
۲۳: جی پوتھر G. Pauthier	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پیرس ۱۸۵۲ء
۲۴: گیلٹنٹ Galtant	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا، غیر مطبوعہ
۲۵: جے جے مارسل J. J. Marcel	س۔ن	قرآن کا ترجمہ کیا، غیر مطبوعہ
۲۶: میڈرنس Madrans	س۔ن	ترجمہ قرآن مطبوعہ از پیرس ۱۹۲۶ء
۲۷: ایڈورڈ مونٹیٹ Ed. Montet	س۔ن	فرانسیسی ترجمہ قرآن، ۱۹۲۵ء

۲۸: ہنری مرسیی Henri Mercies	س۔ن	ترجمہ منتخبات قرآن، مراکش ۱۹۵۶ء
۲۹: مارسل کیٹون Citoyn Marcel	س۔ن	فرانسیسی ترجمہ قرآن (جزوی طور پر)
۳۰: بوناونتو زادسیب Bonnaventuradeseve	س۔ن	فرانسیسی ترجمہ کیا۔
۳۱: لی لیبوس Le Leboies	س۔ن	"قرآن اور عبرانی بائبل" تصنیف، اس میں سورۃ الواقعہ اور الحدید کا بھی ترجمہ ہے۔
۳۲: سینٹ ہیلیئر St. Hilaire	س۔ن	فرانسیسی میں قرآن کے اقتباسات شائع کیے۔
۳۳: گرلوٹ سی ایچ C. H. Gillotte	س۔ن	قرآن کے اقتباسات شائع کیے۔
۳۴: پیسل او O. Pesle	س۔ن	فرانسیسی میں ترجمہ قرآن ۱۹۴۶ء
۳۵: ہیری پیریس Heri Peres	س۔ن	فرانسیسی میں سورۃ فاتحہ وبقرہ کا ترجمہ کیا، الجزائر ۱۹۵۱ء

5- برطانوی انگریز مستشرقین

برطانیہ کا دارالحکومت لندن ہے، رقبہ 94 ہزار مربع میل ہے، رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے برطانیہ کا سب سے بڑا اور اہم حصہ انگلستان ہے، 1980ء میں دیانت گزٹ انقرہ نے مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ بتائی تھی، جس میں پاکستانیوں کی تعداد 5 لاکھ سے کم بتائی گئی ہے، مسلمانوں کی اکثریت ان ملکوں سے آئی ہے جو دولت مشترکہ میں شامل ہیں یا کبھی شامل تھے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرقین جس نے قرآنی علوم پر کام کیا کے نام درجہ ذیل ہیں:

۱: ولیم بڈویل V. Bedwell	۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء	ترکی زبان میں تفاسیر کی فہرست تیار کی، ۱۶۱۵ء
۲: جارج سیل Goerge Sale	۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء	قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا، لندن ۱۷۴۳ء۔ اب تک اس کے بہت سارے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔
۳: جان جانیئر Gangnier J.	۱۶۷۰ء تا ۱۷۴۰ء	قرآن کی روشنی میں حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھی۔
۴: ایڈوارڈ لین ڈبلیو ane Ed W.	س۔ن	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا لیکن رومن کیتھولک چرچ کے حکم سے ضائع کر دیا گیا۔
۵: پنریس جان Penrice John	س۔ن	"مسلک البیان فی مناقب القرآن" کے نام سے عربی میں کتاب لکھی۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ کیا، لندن ۱۸۷۳ء

۶: جے ایم روڈویل Rodwel J. M.	س۔ن	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہوا۔
۷: ایڈورڈ ہنری پالمر Palmer E. H.	۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۳ء	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، لندن آکسفورڈ اور امریکہ سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔
۸: ولیم ناسولیس Lees W. N.	۱۸۲۵ء تا ۱۸۸۹ء	زمخشری کی تفسیر ''الکشاف'' کی اشاعت میں حصہ لیا، ۱۸۵۶ء
۹: سرجیمس ولیم ریڈ ہاؤس W. Redhouse Sir	۱۸۱۱ء تا ۱۸۹۲ء	''اسماء حسنٰی پر چند ملاحظات'' تصنیف
۱۰: ایڈوارڈ سیل Ed. Sell	س۔ن	'' قرآن کا تاریخی ارتقاء'' تصنیف مطبوعہ مدراس، ۱۸۹۸ء
۱۱: اسٹانٹون ایچ ڈبلیو Stanton H.U.W.	س۔ن	''قرآن کی تفسیر وتشریح'' تصنیف
۱۲: سراڈوین آرنلڈ Sir Edwin Arnold	۱۸۵۹ء تا ۱۹۳۳ء	''قرآن کے بعض اجزاء کا متن'' مقالہ
۱۳: اے منگنا Mingana A	۱۸۸۱ء تا ۱۹۳۷ء	''خلق قرآن کا مسئلہ اور مسلمان'' مقالہ، عربی اور انگریزی میں قرآن کریم پر دیگر مقالات بھی لکھے۔
۱۴: ڈی ایس مارگولیتھ Margolieuth D.S.	۱۸۸۸ء تا ۱۹۴۰ء	سورۃ آل عمران کا ترجمہ کیا، دیگر مضامین بھی لکھے۔

۱۵: وہیری Wherry	س-ن	قرآن کی تفسیر لکھی۔
۱۶: مارماڈیوک پکتھال M. M. Picktall	س-ن	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، متعدد بار شائع ہوچکی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں جمیعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، طرابلس نے بھی شائع کیا۔ (پکتھال نے اسلام قبول کرلیا تھا)
۱۷: ٹی ایف مائیکل T. F. Maickel	س-ن	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۶۴ء میں کینیڈا سے شائع ہوا۔
۱۸: ڈاکٹر مارکولن Dr. Marckoln	س-ن	انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ہل یونیورسٹی برطانیہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔
۱۹: رابرٹ Robart	س-ن	انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ۔ میکسکو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔
۲۰: روبرٹس آر Robertus R. ۲۱: ہرمانس Harmans	س-ن	ان دونوں نے مل کر لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔

6- امریکی مستشرقین

ریاست متحدہ ہائے امریکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چوتھا سب سے بڑا ملک ہے اور صنعتی ترقی اور خوشحالی میں سب سے آگے ہیں، امریکہ کی آبادی مخلوط النسل ہے یہاں دنیا کی تقریباً ہر قوم اور نسل کے لوگ موجود ہیں نئی تحقیقات کے مطابق اب یہ بات تقریباً ثابت ہوگئی ہے کہ عرب افریقہ کے سیاہ فام مسلمان کولمبس سے بہت پہلے امریکہ پہنچ چکے تھے، جن امریکی مستشرقین نے قرآنیات پر کام کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

ا:	ریفستال آر ایم Riefstahl R. M.	۱۸۸۰ء تا ۱۹۳۶ء	''عہد سلجوقی کا قرآن'' تصنیف ۱۹۳۳ء
۲:	گولتھیل آر جے ایچ Goltheil R. J. H.	۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۶ء	'' قرآن کے طلائی نسخے '' مقالہ مجلّہ الدراسات الاسلامیہ ۱۹۳۱ء
۳:	فنکل جے Finkel J.		''قرآن میں اسرائیلیات'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۲ء
۴:	ونکان، بلاک میکڈونلڈ Mac Donald D. B.	۱۸۶۳ء تا ۱۹۴۳ء	قرآن میں عقائد سے متعلق بحثوں کو مرتب کیا، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۲
۵:	کومارازوامی Coomas Wamy	۱۸۷۷ء تا ۱۹۴۷ء	'' قرآن کے صحیفے'' مقالہ مطبوعہ المنتخب الفنی، واشنگٹن ۱۹۲۰ء
۶:	تشارلز توراى Torrye C.B.C	ولادت ۱۹۶۳ء	'' قرآن کریم'' مقالہ تکریم براؤن ۱۹۲۲ء، '' مفردات قرآن'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۹ء و دیگر مقالات

۷: سموئیل ذویمر Zewemer S.	س ـ ن	''تفسیر سورۃ الاخلاص'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۹ء، ''قرآن کے ترجمے'' ایضاً 1915ء
۸: تھومسون Thomson W	س ـ ن	''قرآن کا تعارف'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۴۲ء
۹: نبیھ عبوٹ Abbot N.	س ـ ن	''قرآن کا ایک مغربی نسخہ'' مقالہ امریکہ ۱۹۳۸ء
۱۰: اڈوین کالورلی Calverley E.	س ـ ن	''قرآن کا تعارف'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۲ء
۱۱: ارتر جیفری Jeffery A.	س ـ ن	قرآن کی قرأت سے متعلق متعدد مقالات لکھے۔ مطبوعہ عالم الاسلام ۱۹۲۴ء، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۳۹ء مجلہ الدراسات الشرقیہ ۱۹۳۷ء، ۱۹۴۰ء وغیرہ (انہوں نے قرآن کا قلمی نسخہ بھی تیار کیا)
۱۲: نیکل اے آر Nykl A.R.	س ـ ن	قرآن کے بارے میں پالمر کی تحقیقات مقالہ امریکہ ۱۹۲۶ء
۱۳: ایف روزنتھال Rosenthal F.	س ـ ن	''قرآن کا تعارف'' مقالہ ذکری زادہ ۱۹۵۲ء
۱۴: آر ایٹنگھوزن Ettinghausen R.	س ـ ن	''عہد سلجوقی میں قرآن'' مقالہ امریکہ ۱۹۳۵ء

۱۵: اوستاس ہائیڈون Oostas Higdon	س۔ن	''قرآن میں حدیث کا تصور'' مقالہ

7- روسی مستشرقین

بروس یا روسیہ Russia اس نام کا اطلاق یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلکس'' پر کیا جاتا تھا لیکن اب اس کی بیشتر ریاستیں آزاد ہو چکی ہیں اور اور روس صرف روسیہ تک محدود ہو چکا ہے روس سے تعلق رکھنے والے کچھ مستشرقین جنھوں نے قرآنی موضوعات پر کام کیا درج ذیل ہیں:

کوفالفیسکی Kowalowiski	۱۸۰۰ء تا ۱۸۷۴ء	قرآن کا براہ راست لاطینی میں ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ
سابلوکوف Sabloukov	۱۸۰۴ء تا ۱۸۸۰ء	روسی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ کیا۔ متعدد بار شائع ہوا، ۱۸۷۹ء
گوتفالڈ Gottwadt J. M.	۱۸۱۳ء تا ۱۸۹۷ء	روسی زبان میں انڈکس تیار کیا جس میں قرآنی آیات اور جاہلی اشعار کو جمع کیا۔
بارتھولڈ Barthod V. V.	۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۰ء	روسی میں قرآن میں سمندر کا تصور'' مقالہ ۱۹۲۵ء ، '' قرآنی اصطلاحات جدید نقطۂ نظر سے ۱۹۲۸ء مطبوعہ حولیات المتحف الآسیوی۔
کاشتالیوا Kashlalera	۱۸۹۷ء تا ۱۹۳۹ء	''حنفیت کا قرآنی تصور'' مقالہ ۱۹۲۷ء سورۃ الحج کا جزوی ترجمہ و دیگر مقالات

۶: یوچمانون Youchmamovn	۱۸۹۶ء تا ۱۹۴۶ء	”لاطینی میں قرآن ایک جائزہ، مقالہ مطبوعہ الصحافۃ الثورۃ ۱۹۳۲ء
۷: کراتچلووسکی Kratchovski	۱۸۸۳ء تا ۱۹۵۱ء	قرآن کا روسی میں ترجمہ کیا، ”مجموعہ مخطوطات قرآنی، ۱۹۱۷ء ”قرآن میں نجم کے معنی“ مقالہ
۸: اوس پنزکی ایف Uspensky F.	س۔ن	قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔ مجمع العلوم ۱۹۱۷ء
۹: اے اے سمینوف Semenov A. A.	۱۸۷۳ء تا ۱۹۵۸ء	”قرآن اسماعلیوں کی نظر میں“ مقالہ المجلہ ایران ۱۹۲۷ء
۱۰: فیرا کراتشکوفسکایا Krachkovskayavera. A	س۔ن	”سولہویں صدی عیسویں کے مخطوطات قرآنی کے نوادرات“ ۱۹۶۰ء
۱۱: ڈیمٹر یوس کانیٹر Demetrivskntemu		روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا از پیٹر برگ ۱۷۱۹ء
۱۲: وربکین Verbkin	س۔ن	روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۷۹۰ء

8- پولینڈی مستشرقین

پولینڈ کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل ہے، پولینڈ کا پہلا واسطہ جن مسلمانوں سے پڑا وہ منگول اور تاتاری تھے، سترہویں صدی کے آخر میں پولینڈ کے جنوبی صوبے پوڈولیا پر 1672ء میں عثمانی ترکوں نے قبضہ کرلیا جو 1699ء تک قائم رہا، 1947ء سے یہاں اشتراکی حکومت قائم ہوئی، اس ملک سے تعلق رکھنے والے چند مستشرقین جنہوں نے قرآن اور قرآنی علوم پر کام کیا درجہ ذیل ہیں:

۱: بل بوجوفسکی Bobowski B.	۱۶۱۰ء تا ۱۶۷۵ء	ترجمہ قرآن کریم
۲: اندرالی کولتھس A. Rcoluthus	۱۶۵۴ء تا ۱۷۰۴ء	قرآن کا ترکی وفارسی میں ترجمہ کیا۔ بعد میں اس کو نصوص القرآن کے نام سے شائع کیا گیا، ۱۷۰۱ء
۳: میشیل اوتیخ Mishil Otaikhe	وفات ۱۷۲۹ء	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا (نامکمل) بولونی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ (نایاب)
۴: اے کازیمیرسکی Griveau R.	۱۸۰۸ء تا ۱۸۸۷ء	فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بائیسواں ایڈیشن ۱۹۳۲ء کا ہے۔
۵: انانیاس زاجاتشکوفسکی Zajaczkowski Ananiasz	ولادت ۱۹۰۳ء	قرآن کا ترجمہ کیا۔
۶: ای لیہمان E. Lehman	س۔ن	قرآن سے متعلق مقالہ لکھا۔ مطبوعہ الاسلام ۱۹۱۴ء
۷: بوہل ایف Buhl F.	۱۸۵۰ء تا ۱۹۳۲ء	قرآن کے مختلف حصوں کا ڈنمارکی زبان میں ترجمہ کیا، دیگر مقالات لکھے۔ دراسات ہوبن ۱۹۲۶ء

۸: کرسٹینسن Christensen A.	س ۔ ن	''قرآنی آیات کی جادوگری'' تصنیف ۱۹۲۰ء
۹: پیڈرسن Pedersen J.	س ۔ ن	ڈنمارکی میں قرآن کا ترجمہ کیا، اسٹاک ہوم ۔ ۱۹۱۷ء بعض سورتوں کا اسپینی زبان میں ترجمہ کیا، دیگر مقالات لکھے۔
۱۰: ڈاکٹر بول ٹیکسن Dr. Boul Tuxen	س ۔ ن	ڈنمارکی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، کوپن ہیگن ۱۹۲۱ء

9- سویڈش مستشرقین

قرون وسطی میں سویڈن کے باشندوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کر لی تھی جو بحیرہ بالٹک کی شمالی ریاستوں پر مشتمل تھی، سویڈن کا رقبہ ایک لاکھ 73 ہزار مربع میل ہے سویڈن کی اپنی زبان ہے اور باشندوں کی اکثریت پروٹسٹنٹ عقائد رکھتی ہے، فن لینڈ کی طرح یہاں بھی سب سے پہلے روس سے تاتاری مسلمان آئے جو تجارت پیشہ تھے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مستشرقین جنہوں نے قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درجہ ذیل ہیں:

۱: ٹورنبرگ Tornberg K.J.	۱۸۰۷ء تا ۱۸۷۷ء	سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ لونڈ ۱۸۷۴ء
۲: زٹرسٹیم Zetter Steam	س ۔ ن	سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا، اسٹاک ہوم ۱۹۱۷ء '' قرآن، محمد کی انجیل'' تصنیف اسٹاک ہوم ۱۹۰۶ء متعدد بار شائع ہوئی۔

۳:	بیر کیلانڈ Birkeland H.	س۔ن	''سورۃ التین'' پر مضمون لکھا، مطبوعہ ۱۹۳۷ء
۴:	کرونسٹولپ Kronstolyp	س۔ن	سویڈش میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ اسٹاک ہوم ۱۸۴۳ء
۵:	بیرنات ہیلر Heller B.	۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۳ء	''قرآن پر یہودی تعلیمات کے اثرات'' مقالہ مطبوعہ الفصول الیہودیہ ۱۹۲۸ء، ''قصص قرآنی'' مقالہ عالم الاسلام ۱۹۳۴ء
۶:	سالمون اوسٹرن Hurat C.L	س۔ن	''شرعی احکام اور جہاد'' مقالہ مطبوعہ ۱۹۱۹ء، ''قرآن میں اخلاق کا تصور'' ۱۹۲۰ء

10- اسپینی مستشرقین

اسپین میں مسلمان 92 ہجری 711ء میں داخل ہوئے اور 95ھ 714ء تک انہوں نے سارا ملک جس میں پرتگال بھی شامل تھا فتح کر لیا 898ھ، 1492ء میں اسپین میں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا، کم وبیش آٹھ سو سال کی اس مدت میں مسلمان ملک کے مختلف حصوں پر مختلف مدتوں میں قابض رہے، اسلامی دور میں اندلس تہذیب وتمدن اور علوم و فنون کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں آ گیا تھا، یہاں کے مشہور مستشرقین جنہوں نے قرآن اور قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں:

۱: ویرینٹ جینس Verent Gines J.	س۔ن	اسپینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۲: پادری کابانیلاس P. Cabanelas	ولادت ۱۹۱۶ء	''قرآن اور یوحنا شقوبی'' مقالہ مجلہ الاندلس ۱۹۴۹ء
۳: ڈی رولز Deroles	س۔ن	اسپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۴: اورٹزڈی D. Vinceteortiz	س۔ن	اسپینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، بارسلونہ ۱۸۷۲ء
۵: مرگیونڈو Marguinday	س۔ن	اسپنی زبان میں قران کا ترجمہ کیا، میڈرڈ ۱۸۷۵ء
۶: ڈاکٹر بریگوانڈرس Dr. Andrss Borrego	س۔ن	اسپینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ بارسلونہ ۱۹۰۷ء
۷: کیٹو Cato	س۔ن	اسپینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ میڈرڈ ۱۹۱۳ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۶ء
۸: ڈاکٹر اینڈرسن Dr. Andarson	س۔ن	اسپینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ

11- پرتگالی مستشرقین

مسلمانوں کے دور عروج میں پرتگال اسلامی اندلس کا ایک حصہ تھا دارالحکومت ازبن کو عرب بشونہ اور اشبونہ کہتے تھے، یہ شہر 714ء سے 1147ء تک اندلس کے مسلمانوں کے پاس رہا، پرتگال پہلے اسپین کا ایک حصہ تھا لیکن بارہویں صدی میں ایک الگ ملک کی حیثیت اختیار کر لی، پرتگال کا رقبہ 35 مربع میل ہے، مسلمانوں کے زوال کے بعد اسپین کی طرح یہاں سے مسلمان نکال دیے گئے یا جبراً عیسائی بنا لیے گئے، اس ملک سے تعلق رکھنے والے مستشرقین جنہوں نے قرآن اور قرآنی موضوعات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں:

۱: پادری یوہان Yohan P.	۱۷۵۰ء تا ۱۸۱۶ء	"معجم عربی لاطینی" کتاب میں قرآن کی بعض سورتوں کو درج کیا۔
۲: اسپرنجراے Sprenger A.	۱۸۱۳ء تا ۱۸۹۳ء	"الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی" پر مقالہ لکھا۔
۳: کارل ولیرس Vollers K.	۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۹ء	"قرآن کی اور قدیم لہجے میں" مقالہ
۴: جائیر آر Jeyer R	۱۸۶۱ء تا ۱۹۲۹ء	"قرآن کا اسلوب" مقالہ مطبوعہ الصحیفہ المشرقیہ فینا
۵: الکوراگواہ O. Alcoragao	س۔ن	پرتگالی زبان میں فرانسیسی سے قرآن کا ترجمہ کیا۔
۶: بکاراویگو Bucara Viegao	س۔ن	پرتگالی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۳۶ء

7: جوزیڈرومیگاڈو Jose Ydromaaha	س۔ن	پرتگالی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۴۶ء
۸: کے ہتی K. Hotti	س۔ن	پرتگالی زبان میں قرآن کی لغت تیار کی۔

12- ہالینڈی مستشرقین

ہالینڈ کو انگریزی میں نیدرلینڈ Nether Land لکھا جاتا ہے یہ شمالی یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے رقبہ چودہ ہزار مربع میل ہے، 1983ء میں یہاں مسجدوں کی تعداد تقریباً ایک سو سترہ تھی، یہاں کے مشہور مستشرقین جس نے قرآنیات پر کام کیا کے نام درج ذیل ہیں ش

۱: ارپانیوس Erpennius Tb.	۱۵۴۸ء تا ۱۶۲۴ء	قرآن کا ترجمہ کیا۔
۲: وتھ پی جے Veth P. J.	۱۸۱۴ء تا ۱۸۹۵ء	"قرآن اور محمد" کے موضوع پر پانچ مقالات لکھے، قرآن کا ہندی میں ترجمہ کیا۔
۳: سنوک ہرجرونجہ Snouck Hurgrnje	۱۸۵۷ء تا ۱۹۳۶ء	"قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ" مقالہ العالم الاسلام ۱۹۱۲ء

۴: فنسک اے جے Wensinck A. J.	۱۸۸۸ء تا ۱۹۳۹ء	"اشخاص اور مقالات اور قرآن استشہادات" تصنیف مطبوعہ از لیدن (حدیث کا انڈکس انہی کی سرکردگی میں تیار کیا گیا)
۵: کرامرز Kramers	۱۸۹۱ء تا ۱۹۵۱ء	براہ راست قرآن کا ترجمہ کیا۔ ایمسٹرڈم بروکسل ۱۹۵۹ء
۶: ایتماڈی ایس Attema D.S.	س۔ن	"اسلام میں قرآن کا تصور" مقالہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء

13- لاطینی مستشرقین

لاطینی قدیم رومی قوم کی زبان ہے، ابتداء میں صرف ایک قبیلے کی زبان تھی جو دریائے ٹائبر کے دہانے پر لیشئیم (Latium) میں آباد تھا، مگر جب لاطینی رومی سلطنت کی توسیع ہوئی اس کے ساتھ ساتھ لاطینی بھی بیرونی ملکوں میں پھیل گئی چنانچہ اطالوی' فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی تمام اسی سے ماخوذ ہیں، رومی سلطنت کے زوال کے بعد قرون وسطی سے لاطینی ایک علمی زبان کے لحاظ سے بدستور رائج رہی اور سینکڑوں علمی کتابیں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئیں اور یورپ کی ترقی میں ممد و مددگار ثابت ہوئیں، لاطینی اب بھی رومن کیتھولک چرچ کی سرکاری زبان ہے۔ جن مستشرقین نے اس زبان میں کام کیا ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱: تھیوڈورس بلبیانڈر Baelboyander Theadoras	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ سوئزرلینڈ (نامکمل)

۲: لوڈوویکومراچیو Ludovico Maraccio	س۔ن	قرآن کا متن بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، جس میں چالیس سال لگے۔
۳: پی ڈی کلونی P. Declvny	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۴: ڈومی نیکس Dominkus	س۔ن	لاطینی قرآن کا ترجمہ کیا۔
۵: جے ایف فروریپ J. F. Fooriep	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۷۶۸ء
۶: پارو Pareav	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ
۷: شروڈر Schroeder	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ غیر مطبوعہ
۸: لیڈرلین Lederlin	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۹: سائیکس Sikes	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۱۰: آگسٹن فائفر A. Ffiffer	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۶۷۸ء

۱۱: سموئیل گاٹ والڈ S. G. Wald	س۔ن	لاطینی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔

14- کچھ دوسرے مستشرقین

ذیل میں ماضی قریب کے کچھ مستشرقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس کے تاریخ پیدائش اور وفات کا ہمیں پتہ نہیں چل سکا۔

۱: ٹولینٹ ایل اے جے L.A.J. Tollent	س۔ن	ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۲: کئی زرالیس Keiyzer S.	س۔ن	ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ روڈ ڈیم ۱۹۰۵ء، ۱۹۱۶ء
۳: ہرمینس وال ڈرہارٹ Hermannus Yonoer	س۔ن	یونانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۱۶ء
۴: پنٹاکی Pentakie	س۔ن	یونانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ایتھنز ۱۹۲۸ء
۵: ڈبلیو ایم ڈونسلاور W. M. Donsuls	س۔ن	قرآن کے منتخب حصوں کا مکاسرین میں ترجمہ کیا، مطبوعہ رائیٹرڈم ۱۸۶۱ء
۶: بی ایف میتھس B. F. Mathes	س۔ن	مکاسرین میں قرآن کا ترجمہ کیا۔

۷: ٹوموف وسکولوف Tomovet Shater	س-ن	بلغارین میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ مطبوعہ صوفیہ ۱۹۳۳ء
۸: بوشکیفو Boshkifow	س-ن	پولینڈی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ وارسا ۱۸۵۸ء
۹: جیکب زنکوک Jacob Azimkiewic	س-ن	پولینڈی زبان میں قرآن کو شائع کیا۔
۱۰: مکولو بیراٹک Mikolobibrtic	س-ن	سربین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۸۵۴ء مطبوعہ بلغراد ۱۸۹۸ء
۱۱: زیڈ ماربیراٹک Mikolobibaartic	س-ن	ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۸۵۴ء
۱۲: جرزان Jarazen	س-ن	ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۱۳: لورنز Lorenz	س-ن	آرمینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
۱۴: کرری بین Kovrbation	س-ن	آرمینی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، ۱۹۱۲ء
۱۵: الیسوپیسکل Eusve Paeskile	س-ن	رومانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ ۱۹۱۴۲ء

١٦: زوما پردگدیون Szend Mayeretgeden	س۔ن	آسٹرین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
١٧: گیرسون Ghirson	س۔ن	آسٹرین زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔
١٨: ویزلی Wizly	س۔ن	بوہیما زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پراگ ١٩٢٥ء
١٩: نائیکی Naiki	س۔ن	بوہیما زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا، مطبوعہ پراگ ١٩٣٣ء

15- عہد حاضر کے مستشرقین

یہاں کچھ عہد حاضر کے مستشرقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے مکان پیدائش اور تاریخ پیدائش کے معلومات میسر نہ ہو سکے،

١: ایلفرڈ ٹی ویلش Alfard T. Wallash	س۔ن	”قرآن کے اپنے متعلق بیانات کے تفسیری مضمرات“ مقالہ
٢: اے ایچ ماتھیاسن A.H. Mathesaen	س۔ن	”کلمۃ اللہ اور نبوت عیسیٰ اور سورۃ آل عمران کی آیات ٣٣.....٦٢ کی بیانیہ تحلیل“ مقالہ
٣: روون فائرسٹون R. Fair Ston	س۔ن	”قرآن اور تفسیری ادب میں حضرت ابراہیم کے حج اور روحانی سفر کا تذکرہ“ مقالہ

۴: بی ٹاڈلاسن B. Tadelason	س۔ن	''اخباری تفسیر'' مقالہ ''اخباری شیعی طریقہ تفسیر'' مقالہ
۵: انتھونی جان Anthone John	س۔ن	''قرآن فطری یا رسمی زبان'' مقالہ
۶: جے ای وانسبورو J. E. Wansborve	س۔ن	''قرآن بطور الہامی کتاب'' مقالہ
۷: اینڈریورپن Endrrurepan	س۔ن	''قرآن کے ذریعے بائیبل کی تفسیر'' مقالہ
۸: اوری روبن Aory Toben	س۔ن	''مثانی کی اصطلاح کے مسائل'' مقالہ
۹: نارمن کالڈر Narman K alare	س۔ن	''تفسیر طبری سے ابن کثیر تک'' مقالہ
۱۰: ولفرڈ ماڈلنگ W. Modlenge	س۔ن	''تسبیح کی قرآنی بنیادیں'' مقالہ
۱۱: ایل کونراڈ L. Konerad	س۔ن	''طب اسلامی کی ابتداء میں قرآن کا حصہ'' مقالہ
۱۲: آرون زیبو ArvenZeuso	س۔ن	''ابتدائی ظاہری تفاسیر'' مقالہ (1)

(1) زیادہ تفصیل کے لئے قرآن اور مستشرقین، محمد جرجیس کریمی ادارہ خدمت خلق، ڈابھا کیند، دمکا (بہار) انڈیا، ص ۹۶

خود آزمائی

-1 قرآن کریم اور تفسیر کے متعلق مستشرقین کی کوششوں پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے

-2 مختلف قرآنی موضوعات پر مستشرقین کے کام پر ایک جامع نوٹ قلم بند کیجئے

-3 یورپ کے پادری مستشرقین کے قرآن کریم پر کام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

-4 جرمن اور فرانسیسی مستشرقین کے کام کے بارے آپ کیا جانتے ہیں؟

-5 دور حاضر کے مستشرقین کے کام کے بارے آپ کیا جانتے ہیں؟

حوالہ جات

1: الاعلام، خیر الدین الزرکلی، مطبوعہ مصر 1949ء

2: جائزہ تراجم قرآنی، محمد سالم قاسمی، سید عبدالروف عالی

3: سہ ماہی فکر ونظر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ڈاکٹر خالد مسعود، ''مغرب میں اسلام کا مطالعہ''
1989-1990، جلد نمبر 28، شمارہ 3، جنوری_مارچ 1991ء

4: قرآن اور مستشرقین، محمد جرجیس کریم، دمکا (بہار) بھارت

5: المستشرقون، نجیب العقیقی دار المعارف قاہری 1964-65م

6: المسلمون فی اور باوامریکہ، علی المنتصر الکتانی، 1976ء

یونٹ نمبر......9

قرآنیات میں بعض منتخب مستشرقین کی خدمات اور ان کے اثرات

تالیف و ترتیب

ثناء اللہ حسین

نظر ثانی

عبدالحمید خان عباسی

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

تمام آسمانی کتب وصحائف میں قرآن کریم ہی واحد کتاب ہے جو انسان کو کائنات اور نظام کائنات میں غور وفکر، عبرت وبصیرت اور تفکر وتدبر کے حصول کی دعوت دیتا ہے اور اپنے پیش کردہ عقائد وتعلیمات کی حقانیت کے اثبات کے لیے کائنات اور اس کے نظام کو بطور دلیل پیش کرتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک عظیم حکمت ومصلحت اور کامل منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی ہے۔

قرآن کریم پر سائنسی پہلوؤں سے مستشرقین نے بھی کام کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ہر دور کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے اس یونٹ میں قرآن کریم پر سائنسی پہلوؤں سے مستشرقین کی تحقیقات اور خدمات، قرآن اور سائنس، قرآن کریم سے استفادہ، بعض مستشرقین کے اعترافات' قرآن کریم کے بارے میں بعض مستشرقین کے مثبت آراء، وغیرہ شامل ہیں اور آخر میں مزید مطالعہ کے لئے حوالہ جات کا فہرست بھی شامل کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

ا: قرآنیات میں بعض منتخب مستشرقین کی خدمات اور ان کے اثرات جان سکیں۔

۲: قرآن کریم پر سائنسی پہلوؤں سے مستشرقین کی تحقیقات اور خدمات جان سکیں۔

۳: یہ جان سکیں کہ قرآن اور سائنس میں تضاد نہیں۔

۴: قرآن کریم سے استفادہ بعض مستشرقین کے اعترافات جان سکیں۔

۵: قرآن کریم کے بارے بعض مستشرقین کی مثبت آراء سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

قرآنیات میں بعض منتخب مستشرقین کی خدمات اور ان کے اثرات

قرآن کریم روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ مغربی دنیا کے حکمرانوں، پادریوں، محققین و مصنفین قرآن کریم عربی زبان وادب اوراسلامی ثقافت کا اتنا عمیق اور گہرا مطالعہ کرنے اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے بعد بھی غیرمسلم ہوکر ہی کیوں مرے؟ تو اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ "من یضلل اللہ فلا ھادی لہ" دراصل ہدایت تبارک وتعالٰی کے بیش بہا خزانوں میں سے ایک اہم اورسب سے قیمتی خزانہ ہے اور ہدایت کی دولت اللہ تعالٰی جس کو چاہتا ہے عطافرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالٰی ہے:

" اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ " (1)

(آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ، بلکہ اللہ تعالٰی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت والوں سے خوب آگاہ ہے)

دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام اورآسمانی کتب وصحائف میں قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جو انسان کو کائنات اورنظام کائنات میں غوروفکر، عبرت وبصیرت اور تفکر وتدبر کے حصول کی دعوت دیتا ہے اوراپنے پیش کردہ عقائد وتعلیمات کی حقانیت کے اثبات کے لئے کائنات اوراس کے نظام کوبطوردلیل پیش کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پوری کائنات ایک عظیم حکمت ومصلحت اورکامل منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی ہے اورکائنات کے ذرہ ذرہ

میں ارباب بصیرت کے لئے خالق کائنات کے وجود اس کی واحدانیت، قدرت وربوبیت کے ناقابل انکار دلائل وبراہین موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ" (2)

(بلاشبہ آسمانوں وزمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے میں، اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا ہے اور ان تمام جانداروں میں سے جسے اس نے اس زمین پر پھیلایا ہے اور ہواؤں کے ادل بدل میں اور اس بادل میں جو زمین وآسمان کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے، عقل ودانش والوں کے لئے نشانیاں "دلائل" ہیں)

1: قرآن کریم پر سائنسی پہلوؤں سے مستشرقین کی تحقیقات اور خدمات

قرآن کریم میں آج سے چودہ سو برس قبل انتہائی صراحت کے ساتھ اعلان کیا گیا:

"سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ" (3)

(عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے)

، جدید سائنسی تحقیقات کے ذریعے کائنات کے جو حقائق معلوم ہوتے ہیں وہ قرآن کریم کی پیش کردہ دعوت کو قطعیات کی سطح پر ثابت کررہے ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور" جینیات" کے ماہر ہیں اور کینیڈا کی ٹورانٹو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کی چند آیات جس میں

" وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ " ، " ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ "
" ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ "(4)

(یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے، پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنادیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کردیا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنادیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنادیا، پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کردیا، برکتوں والا ہے وہ اللہ تعالیٰ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے)

اور اسی طرح " خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا " (5) (اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا) اور بھی بہت سے آیات کا اور جدید تحقیقات کا تقابلی مطالعہ کیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر کیتھ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کئی بار کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی (جدہ) بھی گئے، انہوں نے پایا کہ قرآن کریم کا بیان حیرت انگیز طور پر جدید دریافتوں کے عین مطابق ہے۔ یہ دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہوا کہ قرآن کریم میں کیوں کر وہ حقیقتیں موجود ہیں جن کو مغربی دنیا نے پہلی بار ۱۹۴۰ء میں معلوم کیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک مقالہ لکھا جس میں وہ مذکورہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" The 1300 years old Koran Contains passages so accurate about embryonic develoment that Muslims can reasonably belive them to be revelations from God" (6)

" ۱۳ سوسالہ قدیم قرآن کریم میں جینی ارتقاء کے بارے میں اس قدر درست بیانات

موجود ہیں کہ مسلمان معقول طور پر یہ یقین کرسکتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے اتاری ہوئی آیتیں ہیں۔"

فرانسیسی مستشرق موریس بوکائے جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا، اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن ہمیں جہاں جدید سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے وہاں خود اس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات وشواہد ملتے ہیں اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں۔ یہودی، عیسائی تنزیل میں ایسی کوئی بات نہیں۔" (7)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

"جب میں نے پہلے پہل قرآنی وحی وتنزیل کا جائزہ لیا تو میرا نقطہ نظر کلیۃً معروضی تھا۔ پہلے سے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قرآنی متن اور جدید سائنس کی معلومات کے مابین کس درجہ مطابقت ہے۔ تراجم نے مجھے پتہ چلا کہ قرآن ہر طرح کے حوادث کی طرف اکثر اشارہ کرتا ہے لیکن اس مطالعہ سے مجھے مختصر سی معلومات حاصل ہوئیں، جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی۔ قرآن پاک میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملا جس پر جدید سائنس کے نقطہ نظر سے حرف گیری کی جاسکے۔ اسی معیار کو میں عہدنامہ قدیم اور اناجیل کے لئے آزمایا اور ہمیشہ وہی معروضی نقطہ نظر قائم رکھا۔ اول الذکر عہد نامہ قدیم میں نے مجھے پہلی ہی کتاب آفرینش سے آگے نہیں جانا پڑا اور ایسے بیانات مل گئے، جو جدید سائنس کے مسلمہ حقائق سے کلی طور پر عدم مطابقت رکھتے تھے۔" (8)

موصوف کتاب کے اختتام پر اس حقیقت کا اعتراف مزید صراحت کے ساتھ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم ان دونوں مقدس صحیفوں (تورات وانجیل) سے جو قبل نازل ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے اور اپنے بیانات کے لحاظ سے تضادات وتناقضات سے پاک ہے۔ جبکہ اناجیل میں انسان کی کارگزاریوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ قرآن کی ان لوگوں کے لئے جو معروضی طور پر اور سائنسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں ایک الگ خوبی ہے وہ خوبی جدید سائنسی معلومات سے اس کی کلی طور پر مطابقت ہے۔ اس سے بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ایسے بیانات ہیں جو سائنس سے مربوط ہیں۔ اس صورت میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ کا کوئی فرد اس کا مصنف ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی معلومات ہی نے ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے کا موقع دیا ہے۔ جس کی توضیح کرنا اس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ بائبل اور قرآن کے ایک ہی مضمون کے کئی بیانات کے موازنہ سے وہ بنیادی اختلافات ظاہر ہوتے ہیں جو اول الذکر کے بیانات کے جو جدید معلومات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں درمیان دکھائی دیتے ہیں۔'' (9)

1.2: قرآن اور سائنس

قرآن کریم میں بہت سے سائنسی حقائق بیان کئے گئے ہیں، مثلاً اس میں علم کائنات، فلکیات، ارضیات، معدنیات، موسمیات، حیاتیات، علم الحشرات اور دوسرے سائنسی موضوعات مذکور ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ ان میں باہم اختلاف اس وقت رونما ہوتا ہے جب سائنسی طریقہ کار کو اسلام کی اقدار پر فوقیت دی جانے لگے۔

سائنس اور مذہب کی ظاہری کشمکش اور اس کے نتیجے میں دونوں کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنا دراصل مغرب کے پیدا کردہ تصورات ہیں۔ اسلام کی رو سے علم بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ معرفت رب کا ذریعہ ہے، اسلام مظاہر فطرت کے سطالعہ کا حکم غلبہ واقتدار کی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ روحانی زندگی کی ارتقاء کے لئے دیتا ہے۔ مذہب اور سائنس کی تقسیم خاص طور سے یورپی تجربہ تھا۔ لیکن اسے مذہب اور سائنس کی دائمی اور ہمہ

کیر کشاکش پر محمول کرلیا گیا۔ دوسرے معاشرے میں اس فکر کا وجود محض مغرب کی نقالی ہی نہیں بلکہ علمی کم مائیگی کی دلیل بھی ہے۔

1.2- قرآن کریم سے استفادہ، بعض مستشرقین کے اعترافات

''تمدن کی کہانی'' ہارورڈ یونیورسٹی کا کہنا ہے کہ

''اہل مغرب نے کوشش کی ہے کہ وہ قرآن اور اس کے اصولوں کو مسخ کر کے، توڑ مروڑ کر، غلط بیانی سے غلط تعبیر کر کے اور غیر صحیح شکل میں پیش کریں، اس شرارت آمیز پروپیگنڈے نے جو ہوا بنا کر کھڑا کیا تھا اس کی پردہ دری اب بہت سے وہ غیر مسلم مغربی مصنفین کر رہے ہیں جنہوں نے اصل قرآن کا مطالعہ کیا ہے یا جواب مطالعہ کر رہے ہیں۔''

امریکن ریسرچ ''تشکیل انسانیت'' کا بیان ہے کہ:

''گزشتہ صدی تک کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے قرآن کریم کی ثقافت اور اس کی تاریخ کا صحیح علم حاصل ہوسکتا، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے متعلق جو بیانات یورپ میں انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے شائع ہوئے وہ محض ''ادبی عجائبات'' قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بھی جبکہ وسیع تر اور صحیح تر علم کا حصول آسان ہوگیا ہے۔ ازمنۂ متوسطہ کی کسی تاریخ میں اسلامی ثقافت کا ذکر موجود بھی ہے تو محض ضمنی حیثیت سے اور صرف ''مربیانہ اعتراف'' کے طور پر بربریت کی حالت سے یورپ کے احیاء نو کی تاریخ برابر لکھی جارہی ہے۔ لیکن اس میں قرآنی اثر کا کوئی ذکر نہیں سوائے اس کے کہ'' ہلال پر صلیب کی فتوحات'' اور ''موروں کے قبضے سے ہسپانیہ کی مخلصی'' کے نعرے۔'' (10)

برٹش ریسرچ، باب دوم کا کہنا ہے کہ:

''یونان کے لوگ نہیں بلکہ حاملین قرآن جدید سائنس کے موجد تھے۔ دنیا اس غلط فہمی میں

مبتلا رہی ہے، لیکن حالیہ تحقیقات سے یہ ناقابل تردید حقیقت سامنے آئی ہے کہ قرآن نے معروضی قسم کی تحقیقات اور تجرباتی معلومات کو اپنے ماننے والوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ یونانیوں نے بعض نظریات قائم کیے تھے لیکن تجرباتی معلومات کو عمومیت کا درجہ دینا یونانی مزاج کے لئے قطعاً ایک بے گانہ شئے تھی۔" (11)

1.3- اسلام اور قرآن نے جس توحید کا سبق دیا اس کی مثال نہیں ملتی

ایچ جی ویلز "تاریخ عالم" کا مصنف لکھتا ہے:

"اسلام نظریۂ توحید کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ جس قرآن نے صدیوں تک دنیا کے مختلف لوگوں کو توحید کا سبق دیا اور کوہ اطلس سے ہمالیہ تک انسانی وحدت کا صور پھونکا۔" (12)

1.4- قرآنی تعلیم انسانیت کے لئے بہترین تعلیم ہے

ایچ جی ویلز مزید لکھتے ہیں:

"قرآن اور اسلام کی یہ تعلیم کہ مسلمان سب کچھ خدا کے حوالے سے کریں اور اپنے اندر نماز وغیرہ کے ذریعے تنظیم پیدا کرلیں، گو عقلی اعتبار سے محدود ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ انسانیت کے لئے ایک بہترین اور قابل احترام تعلیم ہے۔ اسلام کی اسپرٹ موجودہ دنیا کے تمام تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے۔" (13)

1.5- تاریخ انسانی میں قرآن کریم کا کردار انقلابی اہمیت کا حامل ہے

ڈاکٹر اوسوالڈ اسپنگلر لکھتے ہیں:

"بنی نوع انسان کی تاریخ میں قرآن کریم کا کردار انقلابی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے کہ اس نے قدیم زمانہ کی اور یونانی روایات اور تصوری اور تجریدی نوعیت کی تمام چیزوں کے خلاف بغاوت کی۔

قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ حصول علم اور قدرتی حادثات کی محسوس اور مرئی علامات کے مطالعہ کے دو ہی ذرائع ہیں" عالم طبیعی اور تاریخ" سائنس جس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ قدرتی حادثات اور ان کے مابین تعلقات کی مرتب ومنضبط معلومات ہے، مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے۔ سائنس کے مفروضات مشاہدہ شدہ حقائق کی بنیاد پر قائم کئے جاتے ہیں جو تنقید اور مشاہدات سے توثیق وتصدیق ہوجانے پر توانین قدرت کہلائے جاتے ہیں۔ یہ بات اس چیز میں مفقود نظر آتی ہے۔ جس کو یونانی سائنس کا نام دیا گیا ہے۔

یونانیوں کے پیش نظر فلسفیانہ مسائل ہوتے تھے جو عمومیت کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ ان کے لئے ایسے قیاسات اور دلائل کا مطالبہ کرتے تھے جن کی بنیاد غور وفکر پر ہوتی تھی، سائنس پر نہیں۔ "یونانی سائنسدان ارسطو" کا احیا کہنا عظیم غلط فہمی کی ایک مثال ہے۔ سائنسدان کی حیثیت سے اس کا استحقاق کلیتاً اس امر پر ہے کہ اس نے حقائق کو جمع کیا اور ان کی درجہ بندی کردی۔ اس نے کبھی تجربہ کی منزل سے گزرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اس بات کا یقین تو کرلیا کہ مرد کے منہ میں عورت سے زیادہ دانت ہوتے ہیں اور یہ کہ زمین پر گرتے ہوئے اجسام کی

رفتار ان کے وزن کے متناسب ہوتی ہے۔ لیکن اس کے دماغ میں کبھی یہ بات نہ آئی کہ دانتوں کو گن لے۔ برٹرینڈرسل نے اپنی گراں قدر تصنیف سائنس کا معاشرہ پر اثر (Inpact of Science on Society) میں مزاحیہ انداز میں اس طرح لکھتا ہے ''اگرچہ ارسطو کی دو بیویاں تھیں لیکن اس نے کبھی بھی کسی ایک بیوی کا منہ کھلوا کر اوراس کے دانت گن کر اپنے نظریہ کی تصدیق نہیں کی'' یا ارسطو مختلف دھاتوں کے گولوں کو کسی بلندی سے پھینک کر اس بات کی تصدیق کر لیتا کہ وہ زمین پر ایک ہی وقت میں پہنچتے ہیں یا ایک دوسرے کے بعد، اس طرزعمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی محسوسات سے زیادہ غیر مقرر اور خیالی اور تصوری باتوں میں پھنس کر رہ گئے۔'' (14)

1.7- قرآنی قوانین اوران کے محاسن

یوایس اے اٹارنی جنرل نے ''اسلامی قانون'' پر اپنی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے کہ:

'' امریکی قانون کا ، اخلاقی فرض سے صرف ایک نازک سا تعلق ہے۔ کوئی امریکی ایک پابند قانون شہری سمجھا جاسکتا ہے۔ خواہ اس کی اندرونی زندگی کتنی ہی نفرت انگیز اور بداطوار ہو، لیکن اسلامی قانون کا منبع ''منشائے الٰہی'' کو قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ وحی کے ذریعے اوراس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات کی روشنی میں اس کو معلوم ہوا ہے، یہ قانون منشائے الٰہی مومنین کی تمام جماعت کو ایک سوسائٹی قرار دیتا ہے۔ جس میں مختلف النوع نسلیں اور قومیتیں شامل ہیں ۔ اور وہ سب ایک رشتہ میں منسلک ہوکر دور تک پھیلی ہوئی ایک کمیونٹی بناتی ہیں۔ زبردست قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ چیز سوسائٹی کی غیر منفک جز قرار پاتی ہے۔ اس میں قومیت یا جغرافیائی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ مومن اس دنیا کو اخلاق کی تطہیر کے لئے ایک وادی قرار دیتا ہے، گویا یہ عالم ، آخرت کے لئے پیش ڈالان ہے اور قرآن میں اس بات کو مکمل طور پر واضح کردیا گیا ہے کہ مومن کو کن شرائط اور قوانین کے تحت رہ کر زندگی گزارنی ہے ایک

دوسرے کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ اور معاشرے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ اور ان اصولوں کی وجہ سے دنیا سے عالم آخرت کا سفر ایک یقینی اور محفوظ و مامون تبدیلی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔'' (15)

1.7- مستشرق (Hartwing Hirschifeld) قرآن کریم کو علم کا سرچشمہ قرار دیتا ہے

مستشرق مذکور لکھتا ہے:

'' ہم کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن علوم کا سرچشمہ ہے۔ آسمان، زمین، انسانی زندگی، تجارت و حرفت جن کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان پر متعدد کتابوں یا تفسیروں میں روشنی ڈالی گئی، اور ان پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا اور مسلمانوں میں بالواسطہ مختلف علوم کی ترقی کا راستہ ہموار ہوا۔ اس نے صرف عربوں ہی پر اثر نہیں ڈالا بلکہ یہودی فلاسفہ کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ مذہبی و ما بعد الطبیعی مسائل پر عربوں کی پیروی کریں، اور آخر عیسائی علم کلام کو عرب الٰہیات سے جس طرح فائدہ پہنچا، اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

روحانیت کے میدان میں اسلام کی کوشش مذہبیات تک محدود نہیں رہی۔ یونانی فلکیات اور طبی تحریروں سے واقفیت نے ان علوم کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وحی کے ذریعہ ملی، اس میں اجسام فلکیہ کے گردش کرنے کا ذکر ان کی عبادت کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور انسان کی خدمت کے طور پر کیا گیا ہے۔ تمام مسلم اقوام نے فلکیات کا بڑی کامیابی کے ساتھ مطالعہ کیا، صدیوں تک وہی اس علم کے حامل رہے، اور آج بھی اکثر ستاروں کے عربی نام اور متعلقہ الفاظ مستعمل ہیں۔ یورپ میں عہد وسطیٰ کے ماہرین فلکیات عربوں کے شاگرد تھے۔ اس طرح قرآن نے طبی علوم میں تحصیل کی ہمت افزائی کی، اور عموی

طور پر فطرت کے مطالعہ اور غور وفکر کی جانب توجہ مبذول کی۔" (16)

1.8- قرآن کریم ایک مکمل قانون ہے

پروفیسر ہربرٹ وائل لکھتے ہیں:

" قرآن کریم جو اخلاقی ہدایتوں ، دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش ہوا، جبکہ ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستہ پر چلتی ہو، قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی وحشیوں کو انسان کامل بنا دیا۔ جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی بھی شاخ لے لیجئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہو میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھ دار آدمی بیک وقت دینوی اور روحانی ترقی کرسکتا ہے۔ مثلاً راست بازی ، پرہیزگاری، رحم وکرم، عفت وعصمت، قرآن میں یہ سب ہدایتیں موجود ہیں اور اگر ان اخلاق کو لیجئے جن کا تعلق دنیوی ترقی سے ہے مثلاً محبت، شفقت، عزم واستقلال ، جرأت ، شجاعت تو ان ہدایتوں سے بھی قرآن معمور ہے۔ بہرکیف وہ ایک حیرت انگیز قانون ہدایت ہے" (17)

2- ڈاکٹر موریس بوکائے کے موسیو سالمان کے قرآن کریم پر اعتراضات کے جوابات

ڈاکٹر موریس جو فرانس کے نامور اہل قلم مستشرق و ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنھوں نے حکومت فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں جو" لاباروِل فرانس رومان" میں شائع ہوا تھا۔ ایک دوسرے فرانسیسی مستشرق مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے رقم

طراز ہیں:

"قرآن کیا ہے؟ قرآن کی اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو، تو وہ اس کی فصاحت وبلاغت ہے وہ عظیم الشان فضلیت جس پر چالیس کروڑ انسان فخر کررہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اورمطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پرفائق ہے۔"

"تمام آسمانی کتابوں میں جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے جان تالموس کے عہد تک نازل ہوئیں، کسی ایک نے اس کی ایک ادنی سورۃ کا بھی مقابلہ نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے، حقائق پرعبور ہوتا ہے۔ اسی قدر کتاب قرآن کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی تعظیم میں زیادتی ہورہی ہے اس کے عجائبات کا ساتھ ان کی دلچسپی ترقی کرتی ہے .... اس کی فصاحت وبلاغت انہیں سارے جہاں کی فصاحت وبلاغت سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے۔ یہ ایک واقعی بات ہے اس واقعیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشاء پردازوں اورشاعروں کے سراس کتاب کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات جوروزبروز نئے نئے نکلتے ہیں اس کے اسرار جو کبھی ختم نہیں ہوتے، مسلمان ادباء وشعراء ان کو دیکھ کر سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ قیامت تک کے لئے اس کو سرمایۂ ناز جانتے ہیں اوریقین رکھتے ہیں کہ فصیح کلام اوردقیق معنی کا یہ ایک مواج دریا ہے۔"

آگے مزید لکھتے ہیں:

"موسیو رینانش کو اگراسلامی دنیا کے ساتھ کافی واقفیت کا موقع ملا توانہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ مذہب کی بڑی عزت کرتا ہے۔ مذہبی آداب کا نہایت پابند ہے وہ اس مقدس صحیفہ یعنی قرآن کریم کی شان میں توہین کا یک لفظ بھی سننا

گوارا نہیں کر سکتے، اور سچ تو یہ ہے کہ ان کو گوارا کرنا بھی نہیں چاہئے۔"

" اس لئے کہ قرآن مجید میں دو نمایاں حیثیتیں ہیں اور ان دونوں حیثیتوں سے وہ تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ پہلی حیثیت یہ ہے کہ اس کے انتساب کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ قرآن کو مسلمان عربی زبان کی حفاظت کا مرجع سمجھتے ہیں اور اپنے مذہبی اصول کی تطبیق کے ماخذ جانتے ہیں، ریناش نے اگر اپنی غلطیوں کی صحت کر دی تو خیالات کو روشن کرنے اور تاریکی کے مٹانے میں اس کتاب کے ذریعے سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔" (18)

2.1- فرنچ مستشرق موسیو گاسٹن کہتا ہے قرآن کریم کے بغیر دنیا کا امن و امان قائم نہیں رہ سکتا

نامور فرنچ مستشرق موسیو گاسٹن کار نے فرانس کے مشہور اخبار "فگارو" میں ایک نہایت دلچسپ سلسلہ وار مضامین ۱۳۳۰ھ میں شائع کئے، جس کا عنوان تھا "اگر اسلام زمانہ سے معدوم ہو گیا تو امن و امان قائم رہ سکے گا؟" جس کا ترجمہ اسی زمانہ میں بیروت کے مشہور اخبار "البلاغ" (مطبوعہ ۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ) نے شائع کیا۔ اس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

" یہ ایک کھلی صاف اور واضح بات ہے کہ اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب (Social Religion) ہے جس کو دنیا کی ۲/۳ حصہ آبادی دین حق تسلیم کرتی ہے اور گویا دنیا کی ہستی اس مذہب کی بقاء پر منحصر ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس عاقلانہ مذہب کے قانون قرآن کریم میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں، جس سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے اور جو گویا اسلام ہی کے امتزاج عناصر کا نتیجہ ہے۔ اس حیرت انگیز سائنٹفک مذہب اسلام

نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے بنیادی وسائل اور ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں۔ گوہم میں کوئی شخص بھی ان کی فضلیت کا عتراف نہ کرے اور اس کے احسان کا رہین منت نہ ہو مگر امر واقعی یہی ہے۔''

اپنے اس مضمون میں مستشرق موصوف سوال کرتا ہے کہ '' روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا مسلمان نیست ونابود ہوئے قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا یہ سب ہوہوا کردنیا میں امن وامان قائم رہ سکے گا؟ اور پھر جواب دیتا ہے کہ ''نہیں ہرگز نہیں'' (19)

2.2- قرآن کریم کی تعلیم دینی ودنیوی ترقی کا سرچشمہ ہے

مشہور مستشرق مسٹرایچ ایس لیڈر نے اپنے لیکچر میں '' عربوں کا احسان تمدن پر'' کے عنوان سے اورینٹیل لٹریری سرکل لندن میں دیا، کہتے ہیں

'' ذرا ایک نظر ان اصولوں کو دیکھیں جو عربوں کے اس وقت پیش نظر تھے جب کہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے گزر کر ایک امن اورترقی بخش قوم کی شان اختیار کرنے لگے تھے تو اس کے لئے ہمیں قرآنی وحدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔''

ان مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم قرآن کریم کی تعلیم سے شروع ہوتی ہے جو ان کے نزدیک تمام دینی ودنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہوتی ہے، تعلیم قرآن نے ان کے یہاں فلسفہ وحکمت کے مدارس پیدا ہوئے، اوران مدارس نے بڑھ کہ یونیورسٹی کا شکل اختیار کی، اس کا نتیجہ تھا کہ وسط افریقہ جو اس براعظم کا دورافتادہ ترین حصہ ہے جس کو بیسویں صدی کی روشنی کے زمانہ میں تاریک براعظم کہا جاتا ہے۔ وہ ترقی کے اعتبار سے اپنے عہد کی بڑی سے بڑی یورپین سلطنت سے بہتر تھا۔''

مشہور مستشرق موسیو سیدلو جو لکھتا ہے:

'' قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے جس نے بتایا کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں

اور بندوں کے حقوق اور خدا سے تعلق کس قسم کے ہونے چاہیں۔ اس میں فلسفہ اوراخلاق کی ہرقسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل وکمال عیب ونقصان ، حقیقت اشیاء عبادات واطاعات ، گناہ ومعصیت غرض کہ کوئی بات ایسی نہیں جس کا جامع قرآن نہ ہو۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے جنگجو قبائل میں اتحاد واتفاق کی بنیاد ڈالی اور دنیا میں ایک عالمگیر رابطہ پیدا کیا ۔ وہ آداب واصول جو فلسفہ وحکمت پر قائم ہیں جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہے جو نیکی کو بھلائی اوراحسان کی تعلیم دیتے ہیں ان میں سے ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو وہ اعتدال ومیانہ روی کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے ،گمراہی سے بچاتا ہے۔

''اخلاقی کمزوریوں کی تاریکیوں سے باہر نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے اورانسانی زندگی کے نقائص کو کمالات میں بدل دیتا ہے۔ اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے تاریک ضمیر کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی ان صریح آیتوں کو بالکل نہیں دیکھتے جس کے اثر سے عرب کی تمام بری اورمعیوب عادتیں جو مدت ہائے دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں ،مٹ گئیں۔ مثلاً خاندانی عداوت ، کینہ پروری ، جہالت ،جس کا رواج یورپ میں پہلے بھی تھا، اب بھی ہے۔ جوڈویل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں ۔ دختر کشی یہ سب سے مذموم رسومات قرآن نے مٹادیں۔'' (19)

2.3- قرآن مجید پر عقل حیرت زدہ ہے

کونٹ ہنری دی کاسٹر اپنی کتاب'' الاسلام'' میں جوکونٹ موصوف نے فرنچ میں لکھی اورجس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا، لکھتے ہیں:

'' قرآن کی وحی کا مسئلہ اوربھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کرسکتے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا۔ جو بالکل امی تھا۔ تمام اہل مشرق نے اقرار کیا ہے کہ اس کلام نے نوع انسانی

لفظ ومعناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کیا ہے۔ وہی کلام جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن الخطاب کو مطمئن کردیا اور وہ خدا کے معترف ہوگئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اس سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ (علیہ السلام) کا کلام نکلا تھا۔''

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے کہ جس کے طلسم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے'' (20)

اس سے پتہ چلا کہ ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے مذہب اور ہم مسلک مستشرقین کے رویئے کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی مدون ومرتب ہوچکا تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے پہلے بھی ہم نے یونٹ ۵ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

بلکہ بعض دفعہ تو وہ مستشرقین بھی یہ اقرار کرتے ہیں جو عیسائیت کے کٹر داعی اور اسلام کے دشمن ہوتے ہیں ان میں سے ایک ولیم میور بھی ہے، لکھتا ہے:

''ارکان اسلام کی بنیاد اس مقدس وحی پر ہے جس کا کوئی نہ کوئی حصہ روزانہ کی نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعد ارکان میں اس ''مقدس وحی'' کی تلاوت فرض اور بعض میں سنت ہے اور صدر اول ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ مقدس وحی سے مستنبط کرتے ہیں۔ اسی ضرورت (نماز میں پڑھنے) کے لئے صدر اول کا ہر مسلمان قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرلیتا تھا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ سمجھتا تھا۔ عرب کے رہنے والوں کے لئے جنہیں اشعار وانساب وروایات حفظ کرلینے کی (ایام) جاہلیت سے عادت پڑی ہوئی تھی، قرآن کی آیتیں حفظ کرلینا اور بھی سہل تھا''

"مگر ہم اہل عرب کی اس مافوق العادت قوت حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی ہی میں قرآن کی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں جس کے مجموعے میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا تھا۔" (21)

3- ان آراء اور اقوال کے اثرات

مذکورہ بالا اقتباسات یورپ کے مستشرقین اور محققین وفضلاء کے پیش کئے گئے۔ ان پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد آج ہمارے ہاں وہ طبقہ جو شبانہ روز اسلامی قوانین اور احکام کا مذاق اڑانے کا اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتا ہے اور جس نے غالباً حقیقتاً قرآنی مطالب ومعانی کے مطالعہ پر غور وفکر کے ادنیٰ لمحات صرف نہیں کئے اور یا جس کا دراصل عیش پرستی خواہشات نفسانی وذاتی کے کوئی مشرب ہی نہیں۔ لیکن یورپ میں جہاں مذہب اسلام کے مذاق اڑانے والے بستے ہیں وہیں ایسے محققین بھی موجود تھے جنہوں نے باوجود اپنی عصبیت کے کتاب وسنت کے قوانین اور شریعت اسلامیہ کی جامعیت اور قوانین مذہب اسلام کو سرچشمۂ ہدایت مانا اور اس کا اقرار کیا کہ قرآن بلاشبہ ایک کامل واکمل دستور حیات ہے جو ہر زمانے کے لئے اپنی ہدایات جاری کر سکتا ہے۔

کاش! ہمارے ہاں کا یہ عصر یورپ کے فضلاء مستشرقین اور محققین کے مذکورہ بالا اقتباسات اور خدمات میں غور وفکر کرے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ ایسی یورپ کے محققین ہیں جن کے بعض متعصب افراد قرآن کریم کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر تعلیمات قرآنی سے لوگوں کو منحرف کیا کرتے تھے۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد یورپ کے اندر ایسے ارباب فکر پیدا ہوئے جنہوں نے بجائے مخالفت کے قرآنی مضامین میں غور وفکر کرنا شروع کیا، پھر کیسے ممکن تھا کہ تفحص کے بعد ان پر فرقان حمید کے تاثرات پیدا نہ ہوتے؟

پس آج ہمارے یہاں کا وہ طبقہ جو شبانہ روز مذہب بیزاری کا نام لے کر اسلامی تعلیمات ہی کو جاری نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ہم اس طبقہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق پیدا کرے۔ جن علوم کی قرآن

مجید کی فہم وبصیرت کے لئے ضرورت ہے۔ اسے حاصل کرے۔ پھر ممکن نہیں ہے کہ اس پر قرآن کریم کا رنگ نہ چڑھے اگر یہ بھی نہیں تو آج جس یورپ کو وہ اپنا مقصود بنا چکا ہے وہیں کے ارباب تحقیق کے اقوال وبیانات سے سبق لے۔

4: ایک سوال کا جواب

ہم متعدد دوسرے غیر مسلم روشن خیال حضرات جیسے جارج برناڈشا(George Bernard Shaw)، جان ڈیون پورٹ وغیرہ کے ناموں کا اضافہ کرسکتے ہیں۔ جنھوں نے اللہ کے اولوالعزم پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدریغ وافر خراج ہائے عقیدت نذر پیش کئے۔ یہ کہہ کر کہ'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں میں ایک تھے''، ''وہ تاریخ کا عظیم ترین شخصیت تھی''، ''وہ تمام مذہبی شخصیات میں کامیاب ترین فرد تھے''اس جیسی بہت سے باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہی ہیں۔ لیکن ان تمام خراج ہائے عقیدت نے مسلمانوں کے کے ذہن میں ایک سوال پیدا کردیا ہے وہ سوال یہ ہے کہ پھر یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں کیوں داخل نہیں ہوتے یہ لوگ اسلام کیوں قبول نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ کچھ مستشرقین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے بلند تر پر مقام رکھا۔ لیکن وہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ ان کے ذہنوں کے پیچھے یہ یقین اور خیال کارفرما تھا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں جنھوں نے اسلام بنایا اور یہ کہہ کر نعوذباللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مصنف تھے۔ مندرجہ [illegible] نے والوں میں سے بعض نے صراحتاً ایسا کہا اور بعض نے لطیف پیرائے میں کنایتاً کہا۔ لیکن مجموعی طو[illegible] پر ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی ان کی اپنی بشری ذہانت کی وجہ سے تھی۔

تعریفوں کی اس فہرست میں جدید ترین مائیکل ایچ ہارٹ (Maichel H. Hart) کی تعریف ہے یہ بات کہنے کے بعد کہ تاریخ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ بااثر شخصیت ہیں۔ دینی اوردنیاوی دونوں میدانوں میں۔ اپنے مقالہ میں اس نے اپنے قطعی فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنی کتاب کے ۳۹ ویں صفحہ پر صاف صاف کہا ہے کہ اس کے اسلام قبول نہ کرنے کے تحت الشعوری اسباب

کیا ہیں۔

" Moreover, He is the author of the Mulsim Holy scripture, the Koran: A clolection of Mohammad's in sights tant me believed had benn directly revealed to him by Allah."

'' وہی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کے صحیفہ مقدس '' القرآن '' کے مصنف ہیں ۔ اس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بصیرت کے کچھ مجموعے ہیں جن کے متعلق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ یقین تھا کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی کئے گئے ہیں۔''

(22)

اس طرح یہاں ان حضرات کے اسلام کو بحیثیت اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہ کرنے کی کڑیاں ملتی ہیں۔

خود آزمائی

1- قرآن کریم پر سائنسی پہلوؤں سے مستشرقین کی تحقیقات اور خدمات پر نوٹ قلم بند کیجئے

2- قرآن کریم اور سائنس میں تضاد نہیں ایک نوٹ قلم بند کیجئے۔

3- قرآن کریم سے استفادہ ،بعض مستشرقین کے اعتراضات ،کو قلم بند کیجئے۔

4- قرآن کریم کے بارے بعض مستشرقین کے مثبت آراء قلم بند کیجئے۔

5- قرآن کریم کے بارے بعض مستشرقین کے مثبت آراء کے کیا اثرات ہیں۔

حوالہ جات

1: القصص :۵۶

2: البقرۃ : ۱۶۴

3: حم سجدہ : ۵۳

4: المؤمنون : ۱۲ ...... ۱۴

5: النساء : ۱

6: وحید الدین خان، عظمت قرآن، ص ۳۴، دارالتذکرہ، لاہور

7: موریس باکائیے، بائبل، قرآن اور سائنس، ص ۱۸۷، ترجمہ ثناء الحق صدیقی، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۹۹۳

8: ایضاً، ص ۲۳،

9: ایضاً، ص ۴۰۲،

10: امریکن ریسرچ، تشکیل انسانیت کی تاریخ لندن ۱۹۹۴ ص

11: برٹش ریسرچ، باب دوم، ص ۱۳۸، ۱۳۴، ۳۳۲،

12: Fisrt and Last Things , P: 76

13: جوزف میکاف، مصنف ریشنلسٹ انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۵

14: ڈاکٹر حقانی میاں، قرآن ، سائنس اور تہذیب وتمدن ، ص ۳۷۱ ، ۳۷۲

15: ایضاً، ص ۳۸۳ ، ۳۸۴

16: Hartwing Hirschfeld, New Research in to Compostion and Exegesis of the Quran , London 1902 Page: 9

17: قرآن ، سائنس اور تہذیب وتمدن ،ص ۴۵۴

18: ایضاً ،ص ۴۶۱ ، ۴۶۴

19: مسٹر ایچ ایس لیڈر، لیکچر ،عربوں کا احساس تمدن ، بحوالہ قرآن سائنس اور تہذیب وتمدن ،ص ۴۶۴، ۴۶۸

20: قرآن سائنس اور تہذیب وتمدن ص ۴۸۱

21: محمد احسان الحق سلیمانی ''رسول مبین'' مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۵۴ء ، ص ۱۸۵

22: قرآن سائنس اور تہذیب وتمدن، ص ۳۷۵

:1

:2

:3

:4

:5

:6

:7

:8

:9

:10

:11

:13

شعبہ قرآن و تفسیر
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد